

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222071

UNIVERSAL
LIBRARY

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

سلسلہ آصفیہ کا تیسرا انتخاب

خزینہ اردو

مؤلفہ

جناب مولوی حافظ سید جلال الدین احمد حفی ریشی
عربی فارسی پروفیسر گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج الہ آباد

جسکو

نصاب نمیشی حیدر آباد دکن نے تھوڑے فارم کے لئے تجویز فرمایا

۱۹۲۲ء

۱۔ منشی محمد اسماعیل نیجر مطبع کے

اہتمام سے

مطبع انوار احمدی واقع الہ آباد میں طبع ہوا

بار دوم
حقوق تالیف ہندوستان کے زیرِ نگرانی
چھپت ہوئے

رباعیات حکیم عمر خیام

معہ
شرح و ترجمہ اردو

مشرعہ

جناب مولوی حافظ جلال الدین احمد حفیظی ثنبی

معہ مقدمہ

جس میں حکیم عمر خیام کے حالات اور ان کی رباعیوں کی خصوصیات اور
اعتبار و نمایاں کئے گئے اس کے اقسام بیان کئے گئے ہیں۔
اسی قطع پر سفید چکنے و بیک کاغذ پر نہایت خوش خط و رصف
چھپ کر تیار ہے۔ قیمت فی جلد عسٹم

لئے کا پتہ

مینجر الخوار احمدی پریس

الہ آباد

فہرست مضامین

نثر

صفحہ	عنوان مضامین و اسمائے مصنفین	صفحہ	عنوان مضامین و اسمائے مصنفین
۴۶	کتبہ کا مطالعہ - از مولوی ذکار اللہ دہلوی -	۱	زبان اردو کی حقیقت - از مفتی عبدالغفور نساج -
۵۳	آسفر - مولوی حامد حسین رضوی	۶	ترتیب اطفال - از سرسید احمد خاں -
۶۰	آستان - مولوی عبد الرحمن - بی۔ اے	۱۰	تعلیم بنس اطفال مولوی نذیر احمد دہلوی
۶۶	آسفر کا اعلیٰ ذریعہ تجارت ہے - از سرسید احمد خاں -	۱۲	تعلیم کی ضرورت ایضاً
۷۰	آستان کا اثر اخلاق پر سرسید محمود دہلوی	۱۴	تعلیم عروج میں کس چیز کی کسر ہے - ایضاً
۷۷	آستان والی گزری - مولوی عبدالعلیم شہر لکھنوی -	۱۸	مخت - مولوی بیتہ قریشی از برالہ ندوی
۷۷	آسفر - شہر لکھنوی -	۲۸	کمال بے محبت کے مصل نہیں بیکار
۷۷	آسفر - شہر لکھنوی -	۲۸	شمس احمد از مولوی ذکار اللہ دہلوی -
۸۵	آسفر - شہر لکھنوی -	۳۴	آزاد گویا - شمس اطفال خواجہ اطفالین حالی -
۸۸	آسفر - شہر لکھنوی -	۳۴	آزاد حال اور دائمی کی خوش بیانی - از مفتی سید ہمام از رسالہ فن تقریر
۹۰	آسفر - شہر لکھنوی -	۳۴	خوش خلق و نیک چلنی ایضاً
۹۰	آسفر - شہر لکھنوی -	۳۴	سکھون لوبی - از شوق
۹۰	آسفر - شہر لکھنوی -	۳۴	کتبہ - مرزا عابد حسین صاحب
۹۰	آسفر - شہر لکھنوی -	۳۴	بی۔ اے -

صفحہ	عنوان مضامین و اسماے مصنفین	صفحہ	عنوان مضامین و اسماے مصنفین
۱۳۵	رقعات - غالب۔	۱۱۴	پیش میرت - شکر گلشنوی۔
۱۳۳	رقعات - منلی غلام فرحت بیگز۔	۱۱۸	خطوط از مکتوبات سید مولوی تاج محمد دہلوی
۱۶۴	مثنویات	۱۲۰	قصائد
۱۶۴	محمد باری تعالیٰ - قواعد عشق -	۱۲۰	محمد باری تعالیٰ - مومن خاں مومن۔
۱۶۷	مناجات - سودا۔	۱۲۲	زمانے کا انقلاب - ایضاً
۱۶۹	محمد - ذوق۔	۱۲۳	قصیدہ مدحیہ - شیخ محمد ابراہیم ذوق۔
۱۶۷	دریائے عشق - محمد نکی تیرز	۱۲۴	قصیدہ مدحیہ - ایضاً
۱۶۸	حب - وطن - حال۔	۱۲۹	قصیدہ - منشی امیر احمد امیر میانی۔
۱۸۹	موسم زمستان - آزاد دہلوی۔	۱۲۸	غزلیات
۱۹۷	مسئدہیات	-	میر - ذوق - سودا - مومن - انشا۔
۱۹۵	سج کا سال - آئیں۔	-	آبج - آکاش - ذوق - قطر - آبسرد
۱۹۶	ایضاً ایضاً	۱۹۹	دلخ - تسلیم - حال - اکبر۔
۱۹۸	گھوڑے کی تحریر - آئیں۔	-	ترکیب بند
۱۹۸	محمد کی تحریر - آئیں۔	-	ایک پرندے کی فراوان - اقبال۔
-	رباعیات	-	ایم - اسپ۔
۱۹۹	داغ - آبسرد - آئیں - حال۔	۱۷۱	قطعات
-	اکسیر	-	تیر - آصف - تلخیر - ناخ - سوئے - سودا - قطر
-	-	-	ذوق - مومن - مصحفی - آبج - قباب۔

مستزاد مدرسین

میں نے اس سے پہلے بہت سے انتخابات تیار کئے جو اکثر صوبوں میں ہندوؤں اور اسکولوں کے افسار تعلیم میں داخل کئے گئے۔ مگر حال میں میں نے اردو انتخابات کا ایک سلسلہ تیار کیا ہے جس میں اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھا ہے کہ ایک پڑھنے کے بعد دوسرے انتخاب کے پڑھنے کی استعداد پیدا ہو۔ اور ایک سے ایک مشکل ہوتا کہ طلباء کی استعداد میں خاص ترقی ہوتی رہے۔ اور اسکول کی تعلیم ختم کر لینے کے بعد اردو زبان کا صحیح طور پر سمجھنا۔ پڑھنا۔ بولنا۔ سمجھنا آجائے۔ مگر جب تک آپ لوگ خاص دلچسپی سے طلباء کو نہ پڑھائیں گے۔ اس وقت تک ان کی پوری توجہ اس طرف نہ ہوگی اور کامل استعداد پیدا ہونے کی امید نہیں کی جاسکے گی۔ اس لئے میں آپ لوگوں کی خدمت میں حسب ذیل التماس کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ میرا یہ التماس ناگوار خاطر نہ ہوگا۔ اور اس کی پابندی کے ساتھ آپ لوگ طلباء کو تعلیم دیں گے۔ تاکہ اس انتخاب سے جو میلہ اہل مقصود ہے وہ حاصل ہو۔ اور میری قسمت ٹھکانے لگے۔

۱۔ جو سبق آپ پڑھائیں پہلے خود پڑھ کر طلباء کو سنائیں اور اس میں تامل نہ کریں۔
۲۔ تفسیر لکھ کے اصول کو بخیر نظر رکھیں۔ پھر طلباء سے اسی طور پر پڑھائیں اور اس کا خاص طور پر خیال رکھیں کہ الفاظ صحیح پڑھیں۔ اضافات کا خیال رکھیں۔ غرض اور جملوں کے اختتام پر طلباء بقدر ضرورت توقف کریں۔ رفتار خواندگی بہت زیادہ تیز یا بالکل سست نہ ہو۔

۳۔ تمام مشکل الفاظ اور اصطلاحات کے معانی مختصر سیاہ پر مختصراً لکھ کر طلباء کو نوٹ کر دیا جائے۔ اور واضح طور پر ان کو سمجھا دیا جائے۔

۴۔ مرتب الفاظ کی تشریح کیجئے۔ عربی اسماء کی جمع اور بازے بتلائے۔

۴۔ ہر فقرے اور جملے کا مطلب اور مضمون کا خلاصہ طلباء کے ذہن نشیں کرانے اور اس کو ایسے طور پر کہنے کہ وہ خود بھی یہ سب کچھ بخوبی کر سکیں۔ قوت بیان ان میں پیدا ہو جائے۔

۵۔ تمام اشعار کا مطلب آسان الفاظ میں ان کو سمجھانا چاہئے اور ان سے خود کھلا دینا چاہئے۔

۶۔ تمام تخلیقات جو اس مضمون یا شعر سے متعلق ہوں اور مصنفین کی مختصر سوانح عمریاں ان کو بتلائے۔

۷۔ اقسام نظم و نثر سے بھی طلباء کو واقف کر دینا ایک ضروری امر ہے۔

۸۔ اس کتاب کے ہر مضمون کے اختتام پر چند مفید سوالات دے دیئے گئے ہیں جن سوالات کو اور اسی طرح کے اپنی طرف سے چند سوالات طلباء سے وقتاً فوقتاً حل کرائے۔ تاکہ جو مضمون پڑھیں اس کی طرف توجہ بڑھانے پر نظر رہے بلکہ دو مضامین ان کے دماغ میں جم جائیں اور ان کی مدد سے ادبچے کلاسوں میں بخوبی مضمون نویسی کر سکیں۔

۹۔ مراتب بالا تا امکان طلباء سے منکوائیں جس لفظ فقرے یا جملے کے معنی یا خلاصہ مضمون وغیرہ کو درجے کا کوئی طالب علم نہ کہہ سکے۔ اس کو آپ بتلا دیں۔

۱۰۔ میری آخری گزارش یہ ہے کہ آپ لوگوں کو ایسی توجہ سے پڑھانا چاہئے کہ طلباء کو اچھی استعداد پیدا ہو جائے اور ان کو کورس کی کسی بات کے معلوم کرنے کے لئے شرح کی ضرورت نہ ہو۔ جس پر بھروسہ کر لینے سے طلباء آپ کی تعلیم سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ و ما علینا الا البلاغ

ناجیسر
مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُردو زبان کی حقیقت

فارسی اور ترکی زبان میں اُردو لشکر کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ زبان لشکری اور حضوری و ایسا و گلاب پاشے تخت شاہی کی زبان پر جاری ہوئی اس لئے اس زبان کا نام اُردو ہو گیا۔ اور نظم اُردو کو ریختہ اس لئے کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی اصطلاح میں ریختہ اس مصالکہ معنی ہے جس کو درو دیوار کے استیختہ معنی ہے چند اجزاء مخلوط کر کے بناتے ہیں اور چونکہ زبان اُردو کی نظم میں بھی الفاظ عربی مثل اللہ رسول۔ و فارسی مثل دل۔ زبان و ترکی مثل پاتہ بادری۔ و عربی مثل وصف ہادیون۔ و یونانی مثل کیا و قیاس زینہ کی کلمہ پرتلا و اسکل۔ و سسکرت مثل موی۔ دانت و زبان تال مثل اُردو بمعنی ماش۔ و زبان تنگو مثل برا۔ جو کہ و و ماش و شہر چیزوں سے کھاسے کے سے بنائے ہیں۔ و زبان کجرات مثل شہا بمسی شہر۔ و زبان چیر۔ مثل لیچ۔ و زبان لال مثل عذام و زبان امریکا مثل تبا کو کی ترکیب ہے اس سے اس کا نام رکھ رکھا گیا ہے۔

زبان اردو روز مرہ شہر دہلی کو کہتے ہیں۔ اس شہر میں اس سے پہلے پنج بھاشا کا رواج تھا اسی زبان میں ہر شخص پت کرنا کرتا تھا جب شہنشاہ جہاں پور میں سلطان شہاب الدین غوری ملک ہند پر چڑھائی کی۔ اہل ہند کو شکست دی۔ پھوڑا کا کام تمام کیا۔ تمام ملک ہند سلاطین غور کے قبضہ اقتدار میں آیا۔ رفتہ رفتہ زبان قدیم میں لفظ فارسی عربی۔ ترکی ملتا گیا اس عہد میں حضرت امیر خسرو دہلوی نے بہت سے اشعار فارسی ہندی آمیز کہے ہیں۔

جب محمد شاہ ابن تغلق شاہ سرحد آبادی سلطنت ہوئے ظلم و ستم میں انکا شہرہ ہوا۔ باشندگان دہلی پر ایک تازہ ظلم کیا کہ انکو شہر میں رہنے نہ دیا۔ دیوگیر معروف بہ دولت آباد میں بکلیجہ یا۔ اور پھر اپنی سلطنت کے زوال سے پہلے انکو شہر دہلی میں بلوایا اس نقل و حرکت کے باعث بہت سے الفاظ دھنی بھی زبان دہلی میں مل گئے۔ زبان میں ایک نقص پیدا ہوا۔ اور وہی اعجاز گفتگو آخر عہد جہانگیر شاہ تک رہا۔

جب شاہ جہاں بادشاہ نے شہنشاہ جہاں پور میں شاہجہاں آباد کو آباد کیا اور شہر قدیم کو پہلو سے اندھیت میں آتا مغل ہو کر لقب جہانگیر کہنے و قلعہ کہنے ہوا شاہجہاں آباد میں اطراف و جوانب عالم سے ہر قسم کے ذی علم اور صاحب استعداد اور قابل لوگ اکٹرا کر مجتمع ہوئے قدیم ہندی متروک ہونے لگی۔ محاورے میں فوری کہنے لگا۔ زبان اردو کی ترقی شروع ہوئی پھر بھی

دکنی لفظوں کا استعمال رہا کیا۔ اسکا سبب یہ تھا کہ جو لوگ سلاطین کے ہمرکب ممالک دکن کو جاتے تھے۔ شعراء دکن کے اشعار لاتے تھے اور وہ اشعار مطبوع حج باشندگان شاہجہاں آباد ہوتے تھے۔ اسی طرح الفاظ دکنی رواج پاتے تھے۔ اس عہد میں دکن میں حسن۔ احمد اشرف۔ جعفر سلک سعدی فضل لطفی محمود ہاشم باغی وغیرہ بہت سے شعرا موجود تھے مگر ان سبھوں میں محمد ولی سرآمد اقوال و امثال تھا بلکہ اپنے عہد میں شعر گوئی میں پیشانی تھا۔ اس کے شعر میں نوعی غزلیت بھی ہے اور دوسروں کے بہ نسبت اس کے کلام میں حساسیت و بلاغت بھی ہے۔ اشعار ولی

ہر اول محسے کر کے بے وفائی پسند خاطر خوباں ہوا ہے
سن ولی رہنے کو دنیا میں مقام عاشق کو بچہ زلف ہے یا گوشہ تنہائی ہے
اک دل نہیں آرزو سے خالی ہر جا ہے محال اگر خلا ہے
یہ شخص عالمگیر کے آخر عہد میں اورنگ آباد سے دہر الخلافت میں آیا تھا۔
اور اسی عہد سے شاہجہاں آباد میں اردو شعر کہنے کا رواج ہوا۔ اور بیشتر صاحب علم اور سوزوں طبعوں سے اس زبان میں شعر کہا ہے۔

محمد شاہ بادشاہ کے اوائل عہد یعنی ۱۶۵۷ء تک دکن میں جب دہلیوں ولی دکن سے شاہجہاں آباد میں آیا اس کی شہرت ہوئی سبھوں نے دیکھا اس وقت سے شعر ہندی کا رواج بہ نسبت سابق بہت زیادہ ہوا۔ اس عہد کے سفورہان جانی و نکتہ پروان گرائی میں نجم الدین آباد۔ شرف الدین علی تھانی پدما منیج تلہور الدین حاتم جعفر علی خاں لدکی۔ محمد شاکر ناہی ہیں لیکن ان سبھوں میں افضل شیخ تلہور بلدیہی حاتم تھے

ان کے ہر شعر میں شاعر کا ہر لفظ۔ تو سب میں ممتاز مرزا رفیع سودا گئے۔
تصنیف خوب کہتے ہیں۔ ان کے دقت تک محاورہ قدیم کو کسی نے ترک
نہیں کیا۔

مرزا مظہر جان جاناں نے زبان قدیم کی اصلاح کی اور بہ متعجب زبان
فارسی زبان ریختہ کے الفاظ غیر مانوس سے جمالی کیا۔ اور ترکیب خوب
موبندش مغرب سے نیا بلوہ دکھلایا۔ اور خواجہ میر درد۔ اور میر محمد رفیع
میر اور مرزا سب نے بھی قدسے آرائش و پیرائش و دیگر زبان قدیم میں
وہ قدرت کیا کہ ایک طرز جدید پیدا ہوا۔ اور اسی زبان میں جرات
مصطفیٰ۔ انشا۔ میر حسن۔ نصیر دہلوی وغیرہ شعرا نے دہلی و لکھنؤ شعر
کہتے رہے۔ انھیں دونوں میں الفاظ لاطینی مثل کہتان۔ و پرتگری مثل
سلام و کراہ پاؤ لینی نان پاؤ و الفاظ فرانسیسی مثل فرامین و الفاظ
انگریزی مثل گئی۔ گلاس کاگ وغیرہ بھی زبان اردو میں داخل ہو گئے۔

جب زمانہ حکیم مومن خاں مومن۔ شیخ محمد ابراہیم ذبیح۔ مرزا
اسد اللہ خاں غالب۔ شیخ امام بخش تاسخ۔ خواجہ حیدر علی آتش کا آیا۔
ان لوگوں نے زبان اردو کے روز مرہ کو خوب صاف کیا اور فصاحت
و بلاغت سے بھر دیا اور بہت سے غیر فصیح الفاظ کو استعمال سے
خارج کر کے اس زبان کا رتبہ ایسا بڑھا دیا کہ انھار اردو کو اشعار
فارسی کے ہم پہلو کر کے کہنا دیا۔ لیکن اس عہد میں دہلی کے بہت سے
مستورک الفاظ و ترکیب کو شعرا نے لکھنؤ سے جانز رکھا۔ اور بہت سے
الفاظ و ترکیب کو یہ شعرا دہلی کے نزدیک درست تھے شعرا نے
لکھنؤ سے ترک کر دیا۔

محمد شاہ کے زمانے سے پہلے نثر اردو کا رواج نہ تھا۔ ۱۱۳۵ھ میں
فضلی تخلص ایک بزرگ نے ذہ مجلس لکھی غالباً نثر اردو کی ہی پہلی
تصنیف ہے اس کے بعد مرزا رفیع سودا نے میر محمد تقی میر کی شہسوار
شعاع عشق کو نثر میں لکھا ہے۔ اس کے بعد میر محمد عطاء حسین خاں
تھیں نے چار دیویش کا قصہ اردو میں لکھ کر نو طرز ترسیع نام رکھا۔
یہ کتاب شہلے الدولہ کے عہد میں شروع ہوئی اور نواب آصف الدولہ
کے عہد میں ۱۱۳۵ھ میں ختم ہوئی۔

انگریزی عہد میں ۱۱۳۵ھ میں میر شیر علی افسوس نے باغ اردو
اور ۱۱۳۶ھ میں آرائش محفل لکھی۔ اور میرامن دہلوی نے اسی
زمانے میں باغ و بہار آراستہ کیا۔ اخلاق حسنی کا ترجمہ لکھا۔ ۱۱۳۷ھ
میں مولوی شاہ عبد القادر صاحب نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔ بعد اسکے
مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید نے بعض رسالے عام اہل اسلام کی
تعمائش کے لئے لکھے۔

۱۱۳۵ھ سے وفات سرکاری بھی اردو میں ہونے شروع ہوئے
چند سال کے بعد کل دفاتروں میں اردو زبان چھوٹی۔ اسی سنہ میں
خباروں کو اردو ہی حاصل ہوئی۔ ۱۱۳۶ھ میں اردو کا اخبار دہلی میں
جاری ہوا جس کے ایڈیٹر مولوی محمد حسین آزاد کے والد مولوی
محمد باقر دہلوی تھے۔

جب گورنمنٹ انگلشیہ نے دیکھا کہ اردو روز افزوں خلق کر رہی
ہے تو یہ مناسب سمجھا کہ اس ملک کے لوگوں کو انھیں کہ زبان
میں انگریزی علوم و فنون سکھائے جائیں چنانچہ ۱۱۳۷ھ میں دہلی

ہیں سوسائٹی قائم رکھ کر ترجمے ہونے لگے۔ اُسی وقت سے اس زبان کو بچھ ترقی ہوئی۔

سوالات

- ۱۔ اردو کے معنی اور اس زبان کی وجہ تسمیہ بیان کرو۔
- ۲۔ نظم اردو کو بچھ کھنے کا کیا سبب ہے۔
- ۳۔ اردو زبان میں کس زبانوں کے الفاظ پائے جاتے ہیں بندوق اشال تحریر کرو؟
- ۴۔ زبان اردو کہاں کی زبان ہے۔ یہ کب سے رواج پڑا ہوئی۔
- ۵۔ دکنی الفاظ اردو میں کیوں شامل ہوئے۔
- ۶۔ دہلی میں جب اردو کی ترقی ہوئی تب دکنی الفاظ اس میں قائم رہ جانے کی کیا وجہ ہے۔
- ۷۔ دکن کے قدیم اردو شعرا کے چند تخلص بتاؤ اور ان میں سے ولی کے مصنف اشعار بھی تحریر کرو اور اس کی سوانح عمری بیان کرو۔
- ۸۔ محادثات قدیم اردو میں کس زبان تک قائم رہے۔
- ۹۔ میرزا سونائے اردو میں کیا جڑت کی؟
- ۱۰۔ عرصہ کی زبانوں کے الفاظ کس زمانے میں اردو میں داخل ہوئے۔
- ۱۱۔ کس زمانے میں کس کن شعرا نے اردو میں فارسی کی طبع فصاحت و بلاغت پیدا کر دی؟
- ۱۲۔ سزا اردو کا رواج کب سے شروع ہوا اور سب سے پہلے نثر کتاب کوئی تصنیف ہوئی؟
- ۱۳۔ باغ اردو اور آمایش محفل اور باغ و بہار و ترجمہ افغان محفل قرآن مجید کا ترجمہ کس کس لوگوں نے کیا ہے۔
- ۱۴۔ دفتار سرکاری کب سے اردو میں ہو گئے۔
- ۱۵۔ سوسائٹی وجہ کب اور کہاں اور کیوں قائم ہوئی۔

تربیت اطفال

اگر ہم اس بات پر خیال کریں کہ انسانوں کے محبوب شل کا

ہا دونوں کے جمع ہو کر ہم پر بستے ہیں تو دنیا سے انسانوں کے بیوب
 بست ہی کم ہو جائیں۔ اور اگر ہم مرنے ہوئے لوگوں کی آوازوں
 پر کان دھریں اور سمجھیں کہ وہ قبروں میں پڑے ہوئے زبان حال
 سے کیا کہہ رہے ہیں تو شاید ایک بھی جڑائی نہ پائیں گے۔ مگر
 افسوس کہ ہماری آنکھیں اندھی اور ہمارے کان بھرے ہیں۔

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جب وقت گزر جاتا ہے تو بہت سی باتیں
 بکا بچتا دکھائی دیتے ہیں کہ افسوس نہ کہ کیا اور وہ نہ کیا اور اس وقت
 بچتے سے کیا ہوتا ہے۔ کیونکہ کیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں اور
 لا علاج رنج کا نہایت ہی جانکاہ رنج ہوتا ہے۔ پس اگر ہم ایسے
 سخت رنج سے بچنا چاہیں تو اس کا علاج صرف یہی ہے کہ موجودہ وقت
 کو غنیمت جانیں۔

یہ بات جو ہم نے کسی ٹھیک ٹھیک انسان کی طفولیت کی حالت
 سے نہایت ہی مناسبت رکھتی ہے اس لئے جو عمر اور وقت تربیت
 کا ہے جب وہ گزر جاتا ہے تو بغیر لا علاج رنج رہ جانے کے اور کچھ
 نہیں ہوتا اور پھر انگنا تربیت یافتہ رہتا مثل کالی گھٹا کے ہمپر
 گزرتا ہے اور ہمپر برستا ہے اور کسی کے گھر کو بہا دیتا ہے اور کسی
 حاقال کو جلا دیتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی تمام چیزوں میں قدرتی تبادلوں ہوتا رہتا
 ہے اور بغیر انسان کے ایسی اور کوئی چیز نہیں ہے جس کو اس تبادلوں
 میں کچھ دخل ہو۔ اگرچہ انسان کو کسی چیز کے پیدا کرنے کی طاقت نہیں
 ہے مگر اس میں اتنی قدرت ہے کہ بہت سے چیزوں کو اپنے اختیار اور قابو

ہیں کر کے اس قدر قیادت تبارے میں شریک ہو۔ انسان ہی ایک ایسا وجود ہے جو تھوڑا بہت کارخانہ قدرت کے بگاڑنے یا سنوارنے میں دخل رکھتا ہے وہی ایسا ذی عقل اور ذی شعور مخلوق ہے کہ دنیا کی آئندہ کی رفتار کو روک سکتا ہے یا حرکتی کر سکتا ہے یا اتر و خراب حالت میں ڈال سکتا ہے۔

یہ اقتدار ہمیں ناقابل اور خالی وجود کا جیسا کہ لڑکوں کی تربیت یا نافر تربیت رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے اور ایسا کسی چیز سے ظاہر نہیں ہوتا۔ جبکہ ہم لڑکوں کی حالت پر غور کرتے ہیں۔ اور ان کی بھولی بھولی اور سیدھی سادی طبیعتوں کو ہر ایک قسم کے گناہ سے پاک پاتے ہیں اور ہر قسم کی تربیت کی استعداد ان میں دیکھتے ہیں تو ہم کو خدا کی قدرت کا کامل نمونہ دکھائی دیتا ہے اور یقین ہوتا ہے کہ وہ اس ذات کامل کی دلی بخشش کی ہوئی چیزیں ہیں اس کے بعد وہ ایکو دلاتے ہیں ہمارے ساتھ رہتی ہیں ہمارے سامنے ان کی عقل اور فہم کی قوتی ہوتی ہے اور ہماری تعلیم و تربیت ان میں اثر کرتی ہے اور یا تو اچھی اچھی مثالوں کے دیکھنے کے ان میں عمدہ عمدہ عادتیں اور خصلتیں بیٹھ جاتی ہیں اور یا بُری بُری نظیروں کے دیکھنے سے شرور ہی سے ان میں بد عادتیں اور خراب خصلتیں پڑ جاتی ہیں پھر لڑکپن کا موسم نکل جاتا ہے اور جو کچھ لڑکوں نے ہماری صحبت اور تربیت سے لیا، یا بد حاصل کیا، ہو اس کا اثر دنیا میں رہتا ہے۔

لڑکپن کے زمانے میں جو عمر کہ سات برس سے پندرہ برس تک

ہے وہی ایسا زمانہ زندگی ہے جس میں آئندہ کی بہبودی کے لئے زیادہ تر کوشش ہو سکتی ہے اس زمانے میں لڑکوں کا دل ہر چیز کا متلاشی رہتا ہے حافظہ تیز ہوتا ہے قوتِ غور مضبوط ہوتی ہے اپنی عادتوں کا دیکھنا اور عمدہ عمدہ نظروں سے تربیت پاتا جس کو عموماً نیک صحبت کہتے ہیں۔ نہایت ہی مؤثر ہوتا ہے۔ یہ زمانہ لڑکوں کے لئے ذہنی و عقلی اور اخلاقی تخم ریزی کا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس وقت کی تعلیم کو دل نہایت جلد قبول کرتا ہے اور اس کے تخم کو جس میں آئندہ نہایت عمدہ عمدہ پھل پھول پیدا ہونگے بہت جلد اُگنا دیتا ہے لیکن اگر اس زمانے میں نہایت نہیں ہوتی تو پھر بہت ہی کم فائدہ ہوتا ہے کیوں کہ جوں جوں دن گزرتے جاتے ہیں عادت میں مضبوطی آتی جاتی ہے یہاں تک کہ آخر کار عادت طبیعت سے مل جاتی ہے اور طبیعت ثنائی کہلاتی ہے۔ جبکہ بدلنا نہایت ہی دشوار ہوتا ہے ایک نہایت لائق شخص کا حکیمانہ قول ہے کہ ”لطیفین کی طبیعت کتنی بڑی اہم امر ہے کہ آئندہ کی بھلائی یا بُرائی اس کے احتیاط و غیر احتیاط پر منحصر ہے جو لڑکوں کے مرتبوں کی طرف سے ہوتی ہے پس جو لوگ تومی ترقی کے خواہاں ہیں انکا سب سے بڑا کام یہی ہے کہ لڑکوں کی تربیت کے لئے عمدہ انتظام کریں جس سے ہلکے آئندہ کی بہبودی کی توقع ہے ورنہ ہمیں ہی نیک عاداتِ آدمی کے یہاں کہیں لپٹے پٹے بھی پڑے ہیں۔“

(مرستہ)

سوالات

۱۔ دنیا سے انسانوں کے عیوب کیونکر بہت ہی کم ہو سکتے ہیں اور کیونکر بڑائی دیا

- ۱۔ یک قدم موقوف ہو سکتی ہے۔
 ۲۔ موجودہ وقت کو غنیمت جاننے کا کیا نتیجہ ہے؟
 ۳۔ تربیت کا وقت گزر جانے سے کیا کیا نقصانات ہوتے ہیں؟
 ۴۔ ثابت کرو کہ انسان ایسا جو دسے جو شعور، بہت کارخانہ قدرت کے بگاڑنے یا سنوارنے میں دخل رکھتا ہے۔
 ۵۔ لوگوں کی عمر کا وہ کونسا زمانہ ہے سپر آئندہ کی بہتری اور بہبودی کا بھٹا؟
 ۶۔ اور کیوں؟
 ۷۔ لوگوں کی تربیت کے لئے عموماً انتظام کون کون لوگ کرتے ہیں اور اسکا ختم کیا جوتا ہے؟

تسلیم

میں سمجھتا ہوں کہ انسان کی روح بغیر تعلیم کے چنگ بے سنگ و مر کے پہاڑ کے مانند ہے کہ جب تک سنگد اش اُس میں ہاتھ نہیں لگاتا اسکا دھندلا اور کھردرا پن دور نہیں کرتا۔ اُس کو غراش تراش کر سٹول نہیں بناتا اس کو پالش اور جلا سے آراستہ نہیں کرتا اس وقت تک اُس کے جواہر اُسی میں چھپے رہتے ہیں اور اُس کی خوشناسین اور دل آرائشیں اور خوبصورت خوبصورت بیل بوسے ظاہر نہیں ہوتے۔ یہی حال انسان کی روح کا ہے انسان کا دل کیسا ہی نیک ہو مگر جب تک اس پر عمدہ تعلیم کا اثر نہیں ہوتا اس وقت تک ہر ایک نیکی اور ہر ایک قسم کے کمال کی خوبیاں جو اس میں چھپی ہوئی ہیں اور بغیر اس قسم کے آمد کے نمود نہیں ہو سکتیں ظاہر نہیں ہوتیں اور اس لئے تعلیم کے اثر کو مجسمہ متعلق کے بنانے کی تعبیر میں نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے وہ کہتا ہے کہ کوئی صورت ایک

پتھر کے ڈھوٹے میں چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ مگر مورت بنانے کا ہر صرف
 شغول چیزوں کو اس میں سے گھڑ دیتا ہے۔ مورت تو پتھری میں ہر
 ہے مگر آذر مرنے اس کو نمود کر دیتا ہے۔ جو نسبت صورت گھڑنے
 والے کو اس پتھر کے ڈھوٹے سے ہے وہی نسبت تعلیم کو انسان کی
 روح سے ہے۔ بڑے بڑے حکیم اور عالم۔ ولی۔ و ابدال۔ نیک و عقلمند
 بسا اور نامور۔ ایک گنوار آدمی کی صورت میں چھپے ہوتے ہیں۔ مگر
 ان کی یہ تمام خوبیاں عمدہ تعلیم کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہیں جب
 میں جاہل اور وحشی قوموں کے کلمات پڑھتا ہوں تو ان نیکوں
 سے جو ان میں ہیں مگر ناشائستہ اور اس دیری اور جہالت سے جو
 ان میں ہے مگر خوفناک اور اس استقلال سے جو ان میں ہے مگر
 بے ڈھنگا اور اس دانائی اور عقلمندی سے جو ان میں ہے۔ مگر
 جانور کے سے کہو قریب سے لی ہوئی اور اس صبر و قناعت سے
 جو ان میں ہے۔ اور گویا تا امیدیاں ہی ان کی امیدیں ہیں نہایت
 خوش ہوتا ہوں سچ ہے کہ انسان کے دل کے جوش مختلف طرح
 کام کرتے ہیں اور جس قدر کم و بیش عقل کی ہدایت انکو ہوتی
 ہے اور جس قدر کہ عقل ان جوشوں کو درست کرتی ہے اسی قدر
 مختلف طوع پر ان سے کام ہوتے ہیں۔ امریکہ کے حبشی غلاموں کا
 جب ہم یہ حال سنتے ہیں کہ اپنے آقا کے مرنے پر ایک کام پر
 سے چھڑا کر دوسرے کام میں لگانے پر جنگلوں کے درمختل میں
 تلک کر اپنی جان دیدیتے ہیں یا ایک ہندو عورت اپنے شوہر
 کی لاش کے ساتھ زندہ جھکڑی ہو جاتی ہے تو کون شخص ہے

جو ان کی وفاداری اور محبت کی تعریف کر لیا گو کہ کیسے ہی
ناشایستہ اور نامذہب طور سے ظاہر ہوتی ہے اس قسم کے جاہل
اور وحشی قوموں کے دلوں میں بھی نہایت عمدہ عمدہ باتیں پائی
جاتی ہیں۔ گو وہ وحشی سپنے ہی کی حالت میں کیوں نہوں، لیکن
اگر ان کی مناسب طور سے اور عمدہ طور سے درستی کجاوے تو
وہی وحشیانہ نیکیاں کس قدر ترقی پاسکتی ہیں اور کیسے کیسے عمدہ
کلام اور مذہب و شایستہ نیکیاں ان سے پیدا ہو سکتی ہیں۔ (رسید)

سوالیات

- ۱۔ مصنف نے انہی کی روح کو چمکے سنگ مرمر کے مشابہ بیان کر کے اس کے
متعلق کیا ذکر کیا ہے؟
- ۲۔ اسطوئے تعلیم کے اثر کو مجسم صورتوں کے بننے کی تشبیہ میں نہایت
خوبصورتی سے کس طرح بیان کیا ہے؟
- ۳۔ امریکہ کے حبشی غلاموں کی عجیب باتیں کیا کیا سننے میں آئی ہیں؟
- ۴۔ وحشیانہ نیکیاں کیونکر ترقی پاسکتی ہیں؟

تعلیم کی ضرورت

رعایا گورنمنٹ کی دولت ہے۔ اس کی رہنمائی گورنمنٹ کی
قوت۔ رعایا اور گورنمنٹ کے مباحث ایسے باہدگر واجب ہیں کہ اگر
رعایا ابھی رعایا ہو اور گورنمنٹ گورنمنٹ۔ تو رعایا ہی گورنمنٹ
ہے۔ اور گورنمنٹ ہی رعایا۔ مگر انہوں بڑے افسوس۔ بڑے سخت
افسوس کی بات ہے کہ ہمارے یہ نصیب ہندوستان کی رعایا اور

گورنمنٹ میں وہ گھاڑھا اتحاد نہیں ہے۔ اور اس کے ہونے میں ابھی
بہت دیر معلوم ہوتی ہے جبکہ ہونا رعایا اور گورنمنٹ دونوں کے
حق میں مفید بلکہ ضروری ہے۔

برٹش گورنمنٹ کو ہندوستان میں حکومت کرنے ہوئے قرن ہوئے
بچھا پھر کونسی چیز رعایا اور گورنمنٹ میں اتحاد پیدا ہونے کی مانع
ہے۔ کیا گورنمنٹ جاہل اور سخت گیر ہے۔ تو یہ تو یہاں باپ سے بڑھکر
شفیق۔ تو کیا رعایا سرکش ہے۔ نہیں نہیں۔ ایسی منقاد اس قدر
سطح کہ ایک چرواہے کو بھیڑ بکری کے ریوڑ کا ڈرکنا مشکل اور ایک
شے کا نسیل کو انہو رعایا کا سنبھالنا آسان۔ پھر کیا قصور ہے۔
رعایا کا۔ کیونکہ تعلیم یافتہ ہیں۔ لہٰذا گورنمنٹ کا منشا معلوم نہیں۔ اور
کے اصول سے آگاہی نہیں۔ باپ دادا کے انھوں نے دیکھی ہیں

شخصی خود متاثر حکومتیں۔ ان کے فہموں میں متواتر طور پر یہ
بارت مرتکز ہو رہی ہے کہ سلطنت اسی واسطے منعقد ہوئی ہے کہ
حاکم وقت کی آسائش کے لئے رعایا مصیبت اٹھائے۔ رعایا کھائے
حاکم اڑائے۔ رعایا اپنی انگریزوں کو سوسے تاکہ باوشاہ کے نوکروں
کے پاکروں کے پیشکاروں کو تحفہ ہو۔ رعایا ہارٹس میں شکرے۔

تاکہ شاہی مہٹل کے پرچم کے نشوونما کی گردنیاں اڑھیں
پس اے حاضرین! میں آپ صاحبزادوں کو یہ قلم سے
سارکاد دیتا ہوں آپ نے زمانے کی ریت کو خوب سمجھا۔ کھلی نفس
جسکو عقل سے ذرا بھی بہرہ ہے اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ
تعلیم ہی رعایا کے ہند کو شایستہ اور سذب بنا سکے۔ تعلیم ہی انکو

دولت کی کمیہ سکھائیگی۔ تعلیم ہی ان کی نظر میں برٹش گورنمنٹ کی
 قدر بڑھ جائیگی۔ تعلیم ہی انکو برٹش گورنمنٹ کی برکتوں سے متنع ہوئیگی
 حرص و لالچ۔ تعلیم ہی بدگمان رعایا اور رُکی ہوئی گورنمنٹ کے
 دلوں میں صفائی کرائیگی۔ اور جب وہ زمانہ آئیگا کہ رعایا اور
 گورنمنٹ ایک جان دو قالب ہوئے۔ تو ہندوستان کو جنت نشانی
 کہنا حقیقتاً ہوگا نہ ایشیائی شاعری کا مبالغہ۔ اُسوقت ہندوستان
 کی سلطنت پوری پوری مطلق سلطنت ہوگی مستحکم۔ بیرونی دشمنوں
 سے بے خطر اور اندرونی فسادات مجاہد ناروا کے فارغ۔
 (نذیر احمد دہلوی)

سوالات

۱۔ رعایا اور گورنمنٹ دونوں کے حق میں مفید بلکہ فردی کیا چیز ہے۔

۲۔ تعلیم کا اثر ہندستان پر کیا پڑیگا۔

تعلیم مروجہ میں کس چیز کی کمی ہے

اب میں اپنے خیال کے مطابق یہ بات دکھانا چاہتا ہوں کہ
 تعلیم مروجہ میں کس چیز کی کمی ہے۔ اس میں اتنی ہی کمی ہے کہ اگر
 اور کا تمام ہے۔ میں اُسوقت کے تعلیم یافتوں کو بڑی عورت کی نگاہ
 سے دیکھتا ہوں۔ انکو ہر طرح کی قسمیں اور توفیق کا ستم چاہتا ہوں۔
 اور ہر چند ساری عمر میں نے بھی یہی پاپڑ بیٹے ہیں۔ مگر میں صاف
 دل سے انکو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہوں۔ میری طالب علمی کے زمانے
 میں قرنی۔ اور ایم۔ اے۔ کے کچھ بکریٹ تھے نہیں۔ اور خدا

نے مجھ کو اس دروس سے بچایا ہے کہ اپنے نام کے ساتھ کسی خطاب کا
 دم چھٹا لگاؤں۔ لیکن میں اسکا معترف ہوں کہ اگر مجھ سے ایسے
 ایسے کر کے امتحان لئے گئے ہوتے تو میں ضرور فیل (ناکامیاب) ہوتا۔
 ہاں تو فرض یہ ہے کہ مجھ کو تعلیم مروجہ کے نقصان دکھانے منظور
 ہیں۔ تعلیم یافتہ کی اہمیت مقصود نہیں۔ تو کوئی تعلیم یافتہ اس سے
 بڑا نہ مانے کہ میں تو آجکل کے بڑے بڑے تعلیم یافتہ کو بھی اس شے
 کا مصداق سمجھتا ہوں (جیک آف آل اینڈ ماسٹر آف ن) سب
 حکم چلتے ہیں اور کچھ نہیں جانتے، ننان کے دل کا حال قریب
 قریب اُس کے معدے کا سا ہے۔ اگر کوئی شخص ادب سے تاپ
 شاپ کھانا ٹھونٹا چلا جائے تو نہ معدہ اس کے ہضم پر قادر
 ہوگا۔ اور نہ تغذیہ بدن کریگا۔ اسی طرح اگر کوئی طالب علم پڑھنے
 میں غلطی کی طرح حفظ کرتا جائے (جیسا کہ آجکل ہو رہا ہے) تو یقیناً
 وہ اُسکو ہضم نہیں کر سکے گا۔ اور نہیں کر سکتے۔ اور نہ ایسا پڑھنا
 اُس کے لئے مفید ہوگا۔ اور نہیں ہوتا۔ کسی کا اچھا مقولہ کہی کا
 نظر سے گزرا ہوا یاد ہے کہ ہر چیز میں تھوڑا تھوڑا اور کوئی چیز
 ساری بھی۔

پس مجھے پوچھتے ہو تو تعلیم میں اس قاعدے کی حرفاً حرفاً
 تعمیل ہونی چاہئے۔ طریقہ مروجہ میں ہر چیز میں سے تھوڑا تھوڑا کا
 بناہ تو خوب کیا جاتا ہے مگر کوئی چیز ساری بھی کا مطلب خیال
 نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس طریقے کے مطابق بیٹے لوگوں نے
 تعلیم پائی ان میں کوئی شخص کسی شعبے کا کامل فن نہوا حسن طرح

مثلاً درخت شمر کی رسیدگی کا ایک وقت ہوتا ہے کہ اس سے پہلے اس میں پھلی نہیں آتا۔ اسی طرح درخت علم کو بے کمال رسیدگی نہیں ہوتی۔ اور نہ اس سے کسی فائدے کی امید کی جا سکتی ہے علم سے پہلے از جمل سنے کے امتیاز سے دیکھو تو لوٹے سے ادنیٰ درجے کی تعلیم بھی خالی از منفعت نہیں۔ مثلاً گروہ کاشتکاران اگر اتنا لکھنا پڑھنا اور لیکھا کرنا سیکھ لیں کہ پٹواری مغالطہ دہی اور زمیندار زیادہ ستانی نہ کر سکے تو اس سے کسکو انکار ہے کہ اتنی ہی سہولت علمی کاشتکار کے لئے مفید ہوگی۔ اور کون کہتا ہے کہ کاشتکاروں اس قدر تعلیم جسکے وہ سخت حاجت مند ہیں نہ دیا جائے۔ لیکن گفتگو اس میں ہے کہ اگر ہندوستان کو یورپ کی طرح ترقی دینا منظور ہے تو آدھی ترقی اور دیسی کا کیا مذکور ہے اس کی آدھی پاؤں بھی اس تعلیم کے ذریعہ سے ہو سکے گی یا نہیں۔ ۹۔

مگر اس کا کمال یقین ہے کہ جب تک علوم جدیدہ کے ہر شعبے کے کمالی فنون تیار نہ ہوں گے ہندوستان "فیض نکبت" سے ایک لڑائی کی قدر بھی تو ادھر کو نہیں بھر سکتا۔ اور جب ہمارے طالب علم ان فن کی لذتوں سے آشنا ہو گئے تو سمجھیں گے۔ نوکری کتنی ہی بڑی کہوں نہ ہو خبیث ترین منفعت ہے۔ جس کی ایک کمال فن توغ کر سکتا ہے۔ جو لوگ اسوقت علوم جدیدہ کے حاصل کرنے میں مصروف ہیں ان کے بزرگ۔ ان کے خیر خواہ۔ ان کے استاد۔ ان کے متحن۔ ہستینائی طبعیتیں انکو کرتے ہوئے۔ میں ایک اجنبی آدمی ہوں۔ نہ کچھ غرض نہ مطلب سب سے بڑھ ایک نصیحت میں بھی

کئے دیتا ہوں۔ یاد رکھو گے تو یاد کرو گے۔

کسب کمال کن کہ عزت جہاں شہی کس بے کمال بیچ نیرزد مرزبان
تعلیم مروجہ کا ایک نقصان اور شتوہ یہ کہ ہندوستانیوں کی طبیعتیں
خلعتا چٹائی باتوں پر قائم رہنے والی واقع ہوتی ہیں یہ نقائص ہیں نہ
موجب۔ ذرا غلطی میں ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو ہزار برس پہلے کی عمارتیں
موجود ہیں ان پر چھکڑوں اور ہلوں کی تصویریں بنی ہیں وہ سالہا
چھکڑوں اور ہلوں سے اس قدر اشتہ ہیں کہ گویا ان ہی کو چھکڑا
بنائے گئے ہیں۔ اس سے کیا ثابت ہوتا ہے کہ باوجودیکہ چھکڑا اور
بل روز مرہ کی ضرورت کی چیزیں ہیں مگر کسی کا ذہن منتقل نہیں
ہوتا کہ ان میں ایک، کین یا ایک، کاتنا گشتا مانتا۔ پس بدول
تکست علمی کے ہرگز توقع نہیں کہ ہندوستانی کیرک کی لیں۔ یہ تو
بے اخذی بندہ ہے کہ لاو دو و لاو دو لاوے لاو ساتھ کر دو
تب کہیں جگہ سے نہیں تو نہیں۔

(تقریر محمد ولی)

سوالات

- ۱۔ مصنف نے بی۔ اے۔ اور ایم۔ اے کے متعلق اپنے خیالات کی خلاصہ کیا ہے؟
- ۲۔ تعلیم مروجہ کا نسبت مصنف نے کیا رائے ہے؟
- ۳۔ تعلیم کیسی ہونی چاہئے اور انسان کو کیا سیکھنا چاہئے؟
- ۴۔ استاد کس قسم کے درکار ہیں اور کیوں؟
- ۵۔ نقائص اور موجب ہیں کیا فرق ہے۔ اور مصنف نے ان چند کے لئے ان میں
سے کونسا لقب تجویز کیا ہے اور کیوں؟

محنت

انسان کے چال چلن کی تربیت کے واسطے محنت ایک جزو اعظم ہے۔ کیونکہ اس سے اطاعت۔ برد باری مستعدی توجہ اور ثابت قدمی پیدا ہوتی ہے۔ اور اپنے خاص کاروبار میں واقفیت و قابلیت اور لوازم زندگی کے سرانجام میں یقانت و مشقانی حاصل ہوتی ہے۔

مشغلہ ہماری ہستی کے لئے ایک لازمی امر ہے۔ جس کی پابندی سے ہم کسی طرح چھوٹ نہیں سکتے۔ اگرچہ بہت سے لوگ آفات بھری کے واسطے بامر لاچاری اپنے ہاتھوں سے مشقت کرنی گوارا کرتے ہیں لیکن دنیا میں جو لوگ قانون قدرت کے مطابق زندگی سے مستفید ہونا چاہتے ہیں انھیں کسی نہ کسی طرح کی محنت ضرور کرنی چاہئے۔

محنت اگرچہ ایک قسم کا بوجھ اور جبر ہے۔ لیکن یہی عزت اور شہرت کا ذریعہ ہے۔ اس کے بغیر کسی امر کی تکمیل بالکل غیر ممکن ہے انسان کو جو اعزاز حاصل ہوتا ہے وہ صرف محنت کے باعث ہوتا ہے اور یہ ایک درخت ہے جس کے پھل کا نام تہذیب ہے۔ پس اگر دنیا سے محنت کا نام مٹا دیا جائے تو بنی آدم میں سے اخلاقی عظمت بالکل زائل ہو جائے۔ کاہلی کے کارن انسان کو طوق لعنت پہنے

گلے میں پہننا پڑتا ہے اور یہ اس طرح آدمی کو خاک میں ملا دیتی ہے اور بیکار کر دیتی ہے جس طرح لوبہ کو مہوچ خراب کر دیتا ہے۔ جب اسکندر نے فارس کو فتح کیا تو دہاں کے باشندہ دن کے طور طریقہ دیکھ کر یہ تجربہ حاصل کیا کہ وہ لوگ اس امر سے بالکل واقف

نہیں ہیں کہ لہو و لعب میں زندگی بسر کرنی بدترین حالت ہے۔ اور محنت و مشقت میں اوقات گزاری عمدہ ترین زندگی ہے۔

شہنشاہ روس نے بستر موت پر اپنے سپاہیوں کو عرف یہی وصیت کی تھی کہ تم لوگ ہمیشہ محنت کے عادی رہنا۔ اور یہ محض لگاتار محنت کا سبب تھا کہ سردارانِ روم نے اپنی قوت و حکومت کو بہت کچھ وسیع کر لیا تھا۔

کسی شخص نے ایک دانشمند ستیاچ سے سوال کیا کہ آپ نے دنیا میں کسی ایسی چیز کا بھی تجربہ کیا ہے جسے ہر خاص و عام پسند کرتا ہو۔ تو اس نے جواب دیا کہ ہاں وہ کاہلی ہے جسے ہر کس و ناکس عزیز رکھتا ہے۔ انسان میں اس امر کی کوشش کی یہ قدرنی تحریک ہوتی ہے کہ اس کو بلا وقت و محنت فوائد حاصل ہوں۔

آرام طلبی سے جس طرح شخصی نقصان ہوتا ہے اسی طرح قومی خسرت بھی متصور ہے۔ کاہلی سے دنیا میں کوئی کام ہوا ہے اور اور نہ ہوگا۔ آرام طلبی سے دنیا میں ہمیشہ نقصان ہوا ہے اور ہوگا۔ قدرت کا انشاء یہ ہے کہ اس سے کسی امر میں کامیابی نہ ہو۔ کاہلی جسم و دماغ کے واسطے بالکل زہر کی خاصیت رکھتی ہے۔ اس کے بعد ہر قسم کے نقصان ہوتے ہیں۔ یہی سارسہ عیبوں کی جڑ ہے۔ جسمانی کاہلی کے نسبت دماغی کاہلی زیادہ تر مضر تر رساں ہے۔ دماغ کو بیکار رکھنا ایک ایسی بیماری ہے جس سے روحانی کاہلی ہوتی ہے اور خود اس کی موجودگی ایک عذاب ہے۔ جس مصلح آبدستہ میں کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں اسی طرح کاہلی آدمی کے

دماغ میں قبیح و مذہوم خیالات بھرے رہتے ہیں۔ جس کے باعث
 روح سی لطیف شے ناپاک اور آلودہ ہو جاتی ہے۔
 میں اس بات کو نہایت دلیری سے کہتا ہوں کہ جو لوگ کاہل
 ہیں چاہے انہیں دنیا کی نعمت مل جائے لیکن وہ کبھی خوش اور
 سیر نہیں ہونگے ان کے دل کی سب تمنائیں بر آئیں مگر مرادیں
 پوری ہوں۔ اور ہر طرح کا اطمینان حاصل ہو لیکن جب تک
 وہ کاہل رہیں گے۔ اُس وقت تک ان کو دماغی جسمانی ہر قسم
 کی تکلیف محسوس ہوگی۔ ہمیشہ جھول۔ افسردہ۔ پروردہ۔ غریب
 لگائیں اور بے چین رہیں گے۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ انسان
 کو کبھی بیکار اور کاہل نہیں ہونا چاہئے۔
 پختی خوشیاں کا ہاٹی سے کبھی نہیں حاصل ہوتیں۔ ہمیشہ محنت
 اور مشغلی ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔ آرام طلبی سے آدمی جس قدر
 تھک جاتا ہے محنت سے اُس قدر نہیں تھکتا۔ کیونکہ اس سے
 تو روح کو فرصت و مسرت حاصل ہوتی ہے۔ گو ہر وقت مشغول
 رہنے سے دماغ کچھ ضعیف ہو جائے لیکن کاہلی سے یہ بالکل ضائع
 و بیکار ہو جاتا ہے ایک دانشمند کا قول ہے کہ کوئی چیز ایسی
 مسرت رساں نہیں ہے جیسا کہ وقت کا فضول ضائع کرنا۔ اسی کا مقولہ
 ہے کہ انسان کا دل ایک چمکی کے مانند ہے جس میں کیوں پیسا
 جائے تو آگ تیار ہو۔ اور خالی چلائی جائے تو خود اُس کا نقصان ہو۔
 کسی چیز کے حاصل کرنے کی خواہش کرنی اور پھر اُس کے
 حصول میں جو دشواری ہوتی ہیں انکو نہ برداشت کرنا نہایت ہست

آتی ہے۔ اُس کو عاتق لفظوں میں یوں سمجھنا چاہئے کہ کوئی چیز بغیر قیمت کے نہیں مل سکتی اور تو اور فرصت کا وقت بھی عمدہ اور پر صرف نہیں ہو سکتا جب تک وہ کوشش سے حاصل نہ کیا جا سکے۔ کیونکہ بغیر محنت کے حاصل کیا ہوا فرصت کا وقت ایک ایسی شے ہے جس کی قیمت نہیں دی گئی۔

فرصت کی قدر اُسی وقت معلوم ہوگی جب محنت کی جانگی کیونکہ محنت کے بغیر فضول بیٹھے رہنے سے طبیعت گہرا آٹھیل گئی۔ پس ایسی فرصت سے کچھ تفریح نہیں ہوگی۔ کامل خواہ دو تندر ہو اور خواہ غریب دونوں کی زندگی قابلِ فزت ہے۔

فرانس میں ایک کامل فقیر تھا۔ جس کی عمر پالیس برس کی تھی۔ بعد آٹھویں مرتبہ قید خانے میں گیا تھا۔ اُس کے کندھے پر ایک لکھنے ہوئے تھے جنھیں کاملوں کا مقولہ سمجھنا چاہیے۔ "موت کے زمانے سے بچے دھوکا ہوا۔ سو جڑوہ سے تکلیف ہے۔ اور آئندہ سے دہشت ہے۔" پس کامل کی عمر کے پینوں زمانوں میں سے ایک ایسی آرام و اطمینان کا زمانہ نہیں۔

محنت ہر طبقہ اور ہر گروہ کے لوگوں کے واسطے لازمی ہے کہ ہر شخص خواہ وہ امیر ہو خواہ غریب اپنی اپنی حالت کے مناسب ایک کام اختیار کرے خاندانی اور تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ جو شخص دو تندر بھی ہو وہ تمام طبقہ خدائے ساتھ مل کر اپنا فرض سمجھے۔ اپنا رویہ اور وقت صرف کر کے لوگوں کو علم سکھائے۔ شایر بنائے۔ ملک کو بہالت کی آفت سے بچا دے۔

وہ اپنے ذاتی آرام و آسائش سے کبھی کافی اطمینان نہیں ہوگا۔ کوئی ایماں دار اور عالی دماغ آدمی فضول لو و لعب میں مصروف رہنا کبھی پسند نہیں کر سکتا۔ فضول اور بیکار بیٹھے رہنے سے نہ تو کوئی فائدہ ہو سکتا ہے اور نہ عزت۔ گو کوئی بہت خیال کا آدمی اسپر قناعت کرے۔ لیکن جو شخص عالی دماغ۔ ایماں دار اور مستعد ہے وہ کبھی اس حالت کو سچی عزت اور اصلی وقعت کے مقابل نہیں خیال کر سکتا۔

یہ تجربہ کار کا قول ہے کہ میں کبھی یقین نہیں کر سکتا کہ بیکار آدمی کو حقیقی خوشی حاصل ہو سکے۔ ہمارے کام ہماری طرز زندگی کے مطابق ہوتے ہیں۔ تم مجھے بتاؤ کہ کونسا کام کر سکتے ہو۔ پھر میں کہہ دوں گا کہ تم کس قسم کے آدمی ہو۔ محنت کا شوق انسان کو خواب و ذلیل مذاق سے باز رکھتا ہے۔ وقتوں اور مشکلوں سے بچاتا ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ تکلیفات اور مصائب سے نجات ہو سکتی ہے لیکن تجربے سے اس کے خلاف ثابت ہوا ہے۔ کیونکہ محنت و مشقت انسان کے واسطے قدرت نے مقرر کر دی ہے۔ جس قدر لوگ مشکلوں کے مقابلہ کرنے سے بھاگتے ہیں اسی قدر مشکلیں انکا پیچھا نہیں چھوڑیں گی۔ کم سے کم ذاتی آسائش کے واسطے کسی عمدہ شکل میں مصروف رہنا بہت ضروری ہے جو لوگ محنت نہیں کرتے وہ اس کے صلے سے مستفید نہیں ہو سکتے۔

ایک ملاح کا قول ہے کہ خواب راحت کے بعد جب ہم بیدار ہوتے ہیں تو ایسی حالت میں غفلت و رذائت سے ہم کو کچھ کام

کریں۔ اور ہمیں اوقات فرصت اُسی حالت میں آسائش دینگے جب ہم محنت سے اپنے کام انجام دیں۔ اور فرائض پورے کریں۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اکثر لوگ حد سے زیادہ محنت کرنے کی وجہ سے مر جاتے ہیں۔ لیکن اُن لوگوں کی تعداد زیادہ ہے جن کی موت کاہلی۔ نفس پرستی اور آرام طلبی کی حالت میں ہوتی ہے جو لوگ بے انتہا محنت کرنے سے مر جاتے ہیں اس کی یہ وجہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کو باقاعدہ بسر کرنا نہیں جانتے۔ اور جسمانی صحت کا بالکل خیال نہیں رکھتے یہ مقولہ ٹھیک ہے کہ کیسا ہی سخت اور مشکل کام ہو جب اصول و قواعد کے مطابق کیا جائیگا تو ممکن نہیں کہ اُس سے کچھ غم ہو سکتا ہے۔ عمر کی ورازی امتحان زندگی کا صحیح پیمانہ نہیں ہے۔ بلکہ انسان کی زندگی کا اس طرح اندازہ کرنا چاہئے کہ اُس نے اپنے خیالات میں کون سے کام کئے ہوں کس قسم کی واقفیت پیدا کی۔ بس دنیا میں ہرگز جس قدر جس شخص نے زیادہ کام کئے۔ واقفیت حاصل کی۔ خیالات ظاہر کئے۔ سمجھنا چاہئے کہ وہ حقیقت میں اُسی قدر زندہ رہا۔ کاہل اور فضول آدمی کی عمر کتنی زیادہ ہی کیوں نہ ہو حقیقت میں بالکل عیث ہے۔

یہ بات پیولین کی عادت میں داخل تھی کہ جب وہ کوئی عمدہ دستہ کا۔ ہی دیکھتا تو اُس کے موجد کی بہت عزت کرتا۔ کسی موقع پر وہ ایک شخص کے ساتھ سیر کر رہا تھا اتفاقاً چند مزدور فوجہ لئے ہوئے گزرے۔ اُس شخص نے عفت ہو کر مزدوروں کو ٹانگتا کہ اس طرح سے است جاؤ۔ اسپر پیولین نے کہا کہ ان کے بوجھوں کی

عزت کرنا چاہئے۔ کیونکہ ان بیچاروں کی محنت عام لوگوں کے فائدہ اور
 کے لئے ہے۔ عہدہ مشاغل کی عادت جس طرح فردوں کے واسطے عادت
 محنت ہے اسی طرح عورتوں کی بھی محنت کا سبب ہے۔ اس کے
 بغیر عورتیں بے پروائی اور بے مشغلی کی خواب حالت میں مبتلا ہو جاتی
 ہیں۔ اور اس کے علاوہ جسمانی عوارض بھی انہیں گھیر لیتے ہیں
 اور اعلیٰ درجے کی آسائش اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب
 کام شوق اور محنت کے ساتھ کیا جائے۔ عہدہ مشاغل کی پابندی
 سے رات جسمانی راحت نہیں ہوتی۔ بلکہ دماغی محنت بھی حاصل
 ہوتی ہے۔ کابل آدمی اپنی زندگی بالکل مجبورانہ طور پر بسر کرتا
 ہے اور اپنی خلقت کے بیش بہا جزو کو اگرچہ قطعی طور پر
 نہیں مستعمل کرتا لیکن خراب خلقت میں ضائع کر دیتا ہے۔ عہدہ
 آدمی ایک ایسا منبع ہے جس سے مختلف اقسام کے عہدہ مشاغل نکلتے
 ہیں۔ اور جہاں تک اس سے ممکن ہوتا ہے سب کاموں میں
 مصروف ہوتا ہے۔ کسی قسم کی معمولی محنت و مشقت بھی کابل
 کے نسبت بہت اچھی ہے۔

محنت کی عادت کام کرنے کا قاعدہ بتاتی ہے۔ اور وقت کی
 پابندی سکھاتی ہے۔ پس جب اس طرح سے عہدہ مشغلوں میں وقت
 صرف کرنے کی عادت ہو جائیگی تو پھر آدمی اپنا ایک لمحہ بھی بیفائدہ
 ضائع نہ کرے گا اور جب فرصت کا دعوہ آئیگا تو اس کی قدر
 و منزلت معلوم ہوگی۔ ایک صاحب کا قول بہت صحیح ہے کہ اگر
 کابل آدمی کی نسبت یہ کہا جائے کہ وہ وقت کا خون کرتا ہے تو

باقاعدہ محنت کرنے والے کی نسبت یہ کہنا چاہئے کہ وہ وقت میں
جہاں ڈال دیتا ہے۔ کیونکہ اس کے افعال اس وقت بھی قائم و باقی
رہیں گے۔ جب خود اس کا نشان بھی نہ رہے گا۔

باقاعدہ کام کرنے والوں کی محنت کی ایسی عادت ہوتی ہے
کہ انہیں کابلی بہت ناگوار گذرتی ہے۔ اور جب اپنے خاص کام
سے فراغت حاصل کر لیتے ہیں تو انہیں دوسرے کام تلاش کرنے سے
آسائش ہوتی ہے۔

محنتی آدمی اپنے اوقات فرصت کا مشغلہ بہت بے تلاش کر لیتا
ہے۔ اور اسے ہر وقت فرصت حاصل کر لینے کا اختیار رہتا ہے۔ لیکن
بعض اوقات اس کے جو لوگ کابل ہیں ان کو کسی وقت فرصت نہیں
ہوتی مایک ساسب کا قرا ہے کہ جو وقت کو استعمال نہیں کرتا اسے
کبھی فرصت نہیں رہتی۔ لیکن جو لوگ کام کرتے ہیں اور محنت
کے عادی دوست ہیں وہ اپنی فرصت کے گھنٹوں میں بہت بڑے
بڑے کام کر لیتے ہیں۔ کیونکہ ان کے لئے کسی کام میں سرفراہی
یہ نسبت اس کے بہت اچھا ہے کہ وہ کابلی اور محنتی کی حالت
میں پڑے رہیں۔ پس جب محنت کرنے والے آدمی کا دماغ اس کے
روزانہ کام سے پریشان ہو جاتا ہے تو وہ اپنی تفریح طبع کے واسطے
طبعیات۔ زبانزدانی وغیرہ کے سے کسی اور امر میں مصروف ہو جاتا ہے
لیکن اس قسم کی تفریح طبع حاصل کرنے والے وہی لوگ ہیں جو
وقت کے بہت بڑے محافظ اور دنیاوی ہوا و ہوس کے بچانے
ہوتے ہیں۔

جس طرح آدمی کو جسمانی صحت قائم رکھنے کے لئے محنت کی ضرورت ہے اسی طرح دماغی قوت درست رکھنے کے لئے بھی اس سے کام لینے کی حاجت ہے۔ محنت مضر نہیں۔ ہاں حد سے زیادہ محنت کرنی باعث نقصان و ضرر ہے۔ نا اُمیدی کے کام اور عاجز کر دینے والے افعال معرفت رساں ہوتے ہیں۔ اور ہونہار کام فرست بخش۔ اور جب یہ عموماً اور خوش اسلوبی سے عمل میں لائے جاتے ہیں تو اُن سے فرحت اور مسرت کے اسباب حاصل ہو جاتے ہیں۔

دماغی کام اگر اعتدال سے کیا جائے تو اُس سے بہ نسبت کسی اور کام کے کچھ بھی پریشانی نہیں ہوتی اور جب باقاعدہ عملدرآمد ہو تو اُس سے صحت جسمانی و تندرستی متصور ہے۔ صرف کھانا۔ پینا۔ سو رہنا۔ اور کاپلی میں زندگی بسر کرنا بہت بڑے مضرت اور نقصان کا باعث ہے۔ لیکن حد سے زیادہ محنت کرنا بھی بہت بُرا ہے۔ خاص کر اُس محنت سے بہت نقصان ہوتا ہے جس سے آدمی تھک جاتا ہے۔ کیونکہ محنت سے اس قدر تکلیف نہیں ہوتی جس قدر تھک جانے سے نقصان ہوتا ہے جس طرح بالو اور سنگریزوں کے بکثرت رگڑوں سے کسی کپڑے کے بڑے خراب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح مانگی سے جسم میں ضعف و نقابہ طاری ہو جاتی ہے۔ پس حد سے زیادہ محنت کرنے اور تھک جانے کی سنایت اور شیاری سے بچنا چاہئے۔ کیونکہ حد سے زیادہ دماغی محنت سخت مشکل کام ہے۔ اور یہ عمل قدرتی طور پر مضر اور مہلک ہے۔ جو شخص دماغ سے باخراہ کام لیتا ہے اُس کے خیالات بھی اس طرح پریشان

اور خراب ہو جاتے ہیں جس طرح کوئی پہلوان اپنی طاقت سے زیادہ
 داؤ پیچ میں نہ لگ کر کے اعضا و جوارح کو کمزور نہ کرے اور ہیکار کڑا لے
 ان فرض بغیر محنت و کوشش دنیا میں کوئی کام نہیں ہو سکتا
 اور نہ عزت و شہرت حاصل ہو سکتی ہے قدرت کا مقنا ہے کہ انسان
 دنیا میں رہ کر محنت و مشقت کرے۔ اپنے آرام و آسائش اور
 ناموری کے اسباب مہیا کرے۔ لیکن اُس کے حصول میں اُس کو
 تک کامیابی بالکل غیر ممکن ہے جب تک کوشش و جانفشانی نہ
 کی جائے۔ محنت کے بعد اُس کا ثمرہ ملتا ہے۔ تکلیف کے بعد
 راحت کا مزہ معلوم ہوتا ہے۔ دنیا میں جن لوگوں نے شہرت حاصل
 کی ہے اُن کی سوانحی سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں بڑی بڑی
 مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ بڑی محنت و جانکاہی کے بعد یہ
 نعمت حاصل ہوئی ہے۔ پس دنیا میں جن لوگوں کو یہ شوق ہے کہ
 عزت و ناموری حاصل کریں انہیں چاہئے کہ جس قاعدے اور
 طریقے سے یہ ممکن الحصول ہے اُس سے گریز نہ کریں یعنی کابل اور
 بیکار نہ بیٹھے رہیں بلکہ محنت و کوشش کی پابندی اپنے اوپر لازم
 اور فرض سمجھیں۔ ۵

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا سنا بار جب عقیق کو تباہ نہیں ہو
 انوروی سید مرتضیٰ از رسالہ تہذیب

سوالات

- ۱۔ محنت انسان کی کس چیز کے لئے مفید و مفاد ہے اور اس سے کیا کیا نتائج پیدا ہوتے ہیں
- ۲۔ ثابت کر دو کہ مشاقہ اور مشقت انسان کے لئے مفید و مفاد ہے۔ ۱
- ۳۔ انسان کو شوق اور اعزاز حاصل کرنے کے لئے کیا وسائل ہیں۔ ۲

- ۴۷۔ محنت نہ کرنے کے نتائج بختر کر دو۔؟
- ۴۸۔ سکندر نے غیر فارس کے بعد وہاں کے باشندوں کے حالات دیکھ کر کیا سبق حاصل کیا تھا؟
- ۴۹۔ شہنشاہ روس نے بستر مرگ پر اپنے سپاہیوں کو کیا وصیت کی تھی؟
- ۵۰۔ کارل کے متعلق ایک سیانہ سے ایک شخص نے کیا سوال کیا تھا اور اسکا جواب کیا تھا؟
- ۵۱۔ آرام طلبی اور کابی کے نقصانات بیان کر دو۔؟
- ۵۲۔ وقت کے نتائج کرنے کی بات ایک دانشمند کا کیا مقولہ ہے؟
- ۱۰۔ ثابت کر دو کہ کسی چیز کی حاصل کرنے میں جو وقت آپڑے اسکا برداشت کرنا ضروری ہے؟
- ۱۱۔ فرصت کی قدر کب ہوتی ہے؟
- ۱۲۔ کابی کی زندگی کیوں قابلِ فخر ہے؟
- ۱۳۔ محنت ہرگز اور طریقہ کے لئے کیوں لازمی ہے؟
- ۱۴۔ عالی دماغ اور ایا اندر لوگ خالی کیوں نہیں بیٹھتے؟
- ۱۵۔ تعلیمات اور مصائب سے نجات کے متعلق لوگوں کا کیا خیال ہے اور اسکی کیا وجہ ہے؟
- ۱۶۔ ذرا آسائش کے واسطے کسی عمدہ شغل کی کیوں ضرورت ہے؟
- ۱۷۔ ثابت کر دو کہ کابی سے مرنے والوں کی تعداد محنت سے مرنے والوں کی تعداد سے زیادہ ہے؟
- ۱۸۔ درازی زندگی کے لئے وقت سے کاموں کی تعداد کو کیوں ترجیح ہے؟
- ۱۹۔ بزمین سے بوجھ لیجاتے دانوں کی عزت کیوں کی تھی؟
- ۲۰۔ محنت کی عادت کے فوائد سے بیان کر دو۔؟
- ۲۱۔ محنتی آدمی اپنی فرصت کے لئے مشغلہ کیوں نکال لیتا ہے؟
- ۲۲۔ محنت کی ضرورت انسان صحت اور دماغی قوت کے لئے کیوں ضروری ہے؟
- ۲۳۔ ثابت کر دو کہ انسان کی عمر بستر ہوتی ہے۔؟
- ۲۴۔ کوشش اور جانفشانی سے کیا نتائج پیدا ہوتے ہیں؟

کمال بنے محنت کے حامل نہیں ہوتا

ہم مخلوقات میں دیکھتے ہیں کہ جو خلقت زیادہ پائدار و استوار اور

دیرپا ہوتی ہے وہ بہت سچ سچ بڑھکے مدتوں میں بالغ و پختہ ہوتی
 ہے جو اچھی مضبوط لکڑیاں ہوتی ہیں ان کے درخت بہت دیرگرم
 بڑھتے ہیں اور جانور جو بڑی عمر کے ہوتے ہیں وہ اپنی مائے
 میں بہت دنوں رہتے ہیں۔ پس یہی حال انسان کے دل و دماغ کی
 اولاد کا ہے جو انشا پر داز اپنے مضامین کے لکھنے میں جلدی کرتا
 ہے۔ وہ اپنی رنگینی کے سبب سے پھولوں کی بہار دکھاتے ہیں اور
 اتفاقات کی نظروں سے دھوپ کی طرح روشنی چمکاتے ہیں۔ مگر موسم
 کے بدلنے کے بعد تھوڑے دنوں میں نہ یہ بہار قائم رہتی ہے نہ
 چمک۔ اول ہی نکتہ چینی کے جھونکے میں پژمردہ ہو جاتی ہیں اور
 بے اتفاقی کا پالا انکے مار جاتا ہے۔ پھر نہ کوئی انکو بڑھاتا ہے۔
 اور نہ دیکھتا ہے۔ جب ایک مصنف پر لوگوں نے یہ اعتراض کیا
 کہ تم برسوں تک اپنی تصنیفات پر سیکڑوں دفعہ نظر ثانی کرتے ہو
 اور پھر اس کے بعد ایک چھوٹی سی کتاب نکالتے ہو اس نے یہ
 مختصر جواب دیا کہ میں ایک ایسی تصویر بناتا ہوں جو ہمیشہ قائم رہے
 غرض جو انشا پر داز محنت نہیں کرتے اور نامور ہونے کیلئے
 عجلت کرتے۔ ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے مجنسون میں جواب نہیں
 رکھتے تو وہ کیسے خیال کر سکتے ہیں کہ ان کے کلام پر جو نیا سخیہ
 ان کے منہ سے نکل گیا ہے اس پر لوگ توجہ اور اتفاقات کریں گے۔
 اور آئندہ زمانے میں وہ یادگار رفدگار رہے گا۔ یہ سچ ہے کہ بعض
 آدمیوں کو خدا داد استعداد ایسی ہوتی ہے کہ وہ اپنی ادنیٰ توجہ
 سے جو تصنیفات کرتے ہیں وہ اس رہتے اور شان کی ہوتی ہے۔

کہ کوئی دوسرا اور اُس کو برسوں کی محنت اور جانفشانی اور غور و
مطالعہ کے بعد بھی نہیں کر سکتا اُن کا حال تو اُس قطعہ زمین کا
سا ہوتا ہے کہ جس میں خود رو پیداوار کی وہ طاقت ہو کہ کسی
دوسری زمین میں محنت و تردد و آبپاشی کے بعد بھی نہ ہو۔ مگر ایسے
آدمی شاذ و نادر ہوتے ہیں بہت سے جھوٹے مدعی اُن کی قائم
مقامی کا دعوے کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہم بے محنت و مشقت
کے نادر ہو جائیں گے۔ اُن کا حال ایسے کسان کا سا ہے کہ جو اپنے
زمین کو یہ سمجھے کہ وہ بغیر بوسے جوتے ایسے پھل پھول پیدا کرے گی۔
جو دنیا میں بینظیر ہوں گے۔

زمانے میں علم کے اندر بزرگی اس وجہ سے بھی حاصل ہو جاتی
ہے کہ اس میں علم کم ہو۔ پس تھوڑے علم کا عالم بھی وہاں بینظیر
ہوتا ہے کوئی اُس کے برابر نہیں ہوتا۔ جہاں رُوکھ نہیں وہاں
ارنڈ ہی برکشی سہم پس وہ اپنے تئیں بینظیر سمجھ کر صاحب کمال
جانتے ہیں اور اُس پر خوب اچھرتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ
صاحب کمال ہونا اور بات ہے اور جاہلوں اور نالائقوں میں
علم کی وجہ سے ممتاز ہونا اور بات ہے اُن کے فہم میں کمال
کا مفہوم صحیح نہیں ہوتا۔ جو صاحب کمال کے معنی جانتا ہے
وہ اپنے تئیں ناقص سمجھتا ہے جب وہ اپنی قصیدات کو کمال
کے معیار پر کستا ہے تو اُس میں نقص پاتا ہے۔ ایک شاعر نے نال
نے کہا کہ میرے شعر سب کو کامل معلوم ہوتے ہیں۔ مگر مجھے
ناقص۔ ایک اور شاعر جس کے برابر دنیا میں تھوڑے ہی شاعر

گزرے ہیں مرتے وقت کہتا تھا کہ یہ حسرت میں اپنے ساتھ لئے جاتا ہوں کہ میں نے ہزار اپنی جان ماری مگر کبھی ایک شعر کامل نہ کہا گیا ایک معصوم بھی جو اپنی نظر نہیں رکھتا تھا مرتے وقت یہ انہوں کرتا تھا کہ ساری عمر میں ایک دائرہ بھی کامل نہ کھینچ سکا۔

غرض پہلے زمانے میں جیسے علم ادب میں صاحب کمال گذرے ہیں ویسے پچھلے زمانے میں نہیں گذرے اس کا سبب کچھ تو یہ تھا کہ انہوں نے صحیفہ فطرت پرشہ میں ایسی کوشش و محنت کی کہ کوئی بات سواء اس کے متاخرین کے لئے چھوڑی نہیں کہ وہ ان کی نقل جری بھلی کیا کریں ہمیشہ وہ ایک علم کی طرف توجہ کرتے تھے اور اسی کے اسرار جاننے میں محنت شاقہ اٹھاتے تھے۔ اگر شاعر بنا چاہتے تھے تو نشر سے ہاتھ اٹھاتے تھے اور اگر نثریں کمال پیدا کرنا چاہتے تھے تو شعر نہیں کہتے تھے اس لئے پہلے زمانے میں بہت ہی تھوڑے ایسے انشا پرداز گذرے ہیں کہ جن کو نظم اور نثر دونوں میں کمال ہو۔ بلکہ نظم میں بھی وہ ایک قسم کی شاعری پر توجہ کرتے تھے۔ اس زمانے کی طرح پہلے زمانے میں ہفتہ وار اور ماہوار اور روزانہ اخبار نہ نکلتے تھے کہ جسٹ پٹ ان کی تصنیفات شائع ہوجاتی اس لئے برسوں وہ ان کے گھر میں پڑی رہتی اور اس کی اصلاح کا موقع ان باتوں سے ہاتھ لگتا۔ دشمنوں اور دوستوں کی برائے سے نئے نئے معلومات اور خیالات معلوم ہوتے۔ جب ذہن محنت سے آرام پاتا ہے تو از سر نو پھر اس میں تازگی اور توانائی خیالات کرنے کی پیدا ہوجاتی ہے۔ فرصت اور فراغت میں خود سوچتے

- ۴۶۔ محنت نہ کرنے کے نتائج بخیر یا شریم کرو۔؟
- ۴۷۔ سکندر نے فتح فارس کے بعد وہاں کے باشندوں کے حالات دیکھ کر کیا سبق حاصل کیا تھا؟
- ۴۸۔ شہنشاہ روس نے بہتر مرگ پر اپنے سپاہیوں کو کیا وصیت کی تھی۔؟
- ۴۹۔ کابل کے متعلق ایک سیاح سے ایک شخص نے کیا سوال کیا تھا اور اسکا جواب کیا تھا؟
- ۵۰۔ آرام طلبی اور کابل کے نقصانات بیان کرو۔؟
- ۵۱۔ وقت کے مناسب کرنے کی بابت ایک دانشمند کا کیا مقولہ ہے۔؟
- ۵۲۔ ثابت کرو کہ کسی چیز کی حاصل کرنے میں جو وقت آپڑے اسکا برواشت کرنا ضروری ہے؟
- ۵۳۔ فرصت کی قدر کب ہوتی ہے۔؟
- ۵۴۔ کابل کی زندگی کدوں قابل فخر ہے۔؟
- ۵۵۔ محنت ہرگز اور ہر طبقے کے لئے کیوں لازمی ہے۔؟
- ۵۶۔ خالی دماغ اور اماندار لوگ خالی کیوں نہیں بیٹھتے۔؟
- ۵۷۔ تکیہ جات اور مصائب سے نجات کے متعلق لوگوں کا کیا خیال ہے اور اسکی کیا وجہ ہے؟
- ۵۸۔ زائر آستان کے واسطے کسی عمدہ شغل کی کیوں ضرورت ہے۔؟
- ۵۹۔ ثابت کرو کہ کابل سے مرنے والوں کی تعداد محنت نہ کرنے والوں کی تعداد سے زیادہ ہے۔؟
- ۶۰۔ درازی زندگی کے لئے وقت سے کاموں کی تعداد کو کدوں ترجیح ہے۔؟
- ۶۱۔ پولیس نے ہر چھ لیجات راتوں کی عزت کیوں کی تھی۔؟
- ۶۲۔ محنت کی عادت کے فوائد بیان کرو۔؟
- ۶۳۔ محنت آدمی اپنی فرصت کے لئے مشغل کیوں نکال دیتا ہے۔؟
- ۶۴۔ محنت کی ضرورت انسان صحت اور دماغی قوت کے لئے کیوں ضروری ہے۔؟
- ۶۵۔ ثابت کرو کہ اعتدال کی صورت بہتر ہوتی ہے۔؟
- ۶۶۔ کوشش اور جانفشانی سے کیا نتائج پیدا ہوتے ہیں۔؟

کمال بے محنت کے حاصل نہیں ہوتا

ہم مخلوقات میں دیکھتے ہیں کہ جو خلقت زیادہ پائدار و استوار اور

دیرپا ہوتی ہے وہ بہت سچ سچ بڑھکے مدتوں میں بالغ و پختہ ہوتی ہے جو ابھی مضبوط لکڑیاں ہوتی ہیں ان کے درخت بہت دیر کر کے بڑھتے ہیں اور جانور جو بڑی عمر کے ہوتے ہیں وہ اپنی ماں کے پیش میں بہت دنوں رہتے ہیں۔ پس یہی حال انسان کے دل و دماغ کی اولاد کا ہے جو انشا پر داز اپنے مضامین کے کہنے میں جلدی کرتے ہیں۔ وہ اپنی رنگینی کے سبب سے پھولوں کی بہار دکھانے میں اداسات کی نظروں سے دھوپ کی طرح روشنی چمکاتے ہیں۔ مگر موسم کے بدلنے کے بعد تھوڑے دنوں میں نہ یہ بہار قائم رہتی ہے نہ چمک۔ اول ہی نکتہ چینی کے جھونکے میں پژمردہ ہو جاتی ہیں اور بے اتفاقی کا پالا انکو مار جاتا ہے۔ پھر نہ کوئی انکو بڑھا رہا ہے۔ اور نہ دیکھتا ہے۔ جب ایک مصنف پر لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ تم برسوں تک اپنی تصنیفات پر سیکڑوں دفعہ نظر ثانی کرتے ہو اور پھر اس کے بعد ایک چھوٹی سی کتاب نکالتے ہو اس نے یہ مختصر جواب دیا کہ میں ایک ایسی تصویر بناتا ہوں جو ہمیشہ قائم رہے غرض جو انشا پر داز محنت نہیں کرتے اور نامور ہونے کیلئے عجلت کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے مجنسون میں جواب نہیں رکھتے تو وہ کیسے خیال کر سکتے ہیں کہ ان کے کلام پر جو بنیادیں ان کے منہ سے نکل گیا ہے اس پر لوگ توجہ اور اتفاقات کریں گے۔ اور آئندہ زمانے میں وہ یادگار روزگار ہے گا۔ یہ سچ ہے کہ بعض آدمیوں کو خدا داد استعداد ایسی ہوتی ہے کہ وہ اپنی ادنیٰ توجہ سے جو تصنیفات کرتے ہیں وہ اس رہنے اور شان کی ہوتی ہے۔

کہ کوئی دوسرا اور اُس کو برسوں کی محنت اور جانفشانی اور غور و مطالعہ کے بعد بھی نہیں کر سکتا اُن کا حال تو اُس قطعہ زمین کا سا ہوتا ہے کہ جس میں خود رو پیداوار کی وہ طاقت ہو کہ کسی دوسری زمین میں محنت و تردد و آبپاشی کے بعد بھی نہ ہو۔ مگر ایسے آدمی شاذ و نادر ہوتے ہیں بہت سے جھوٹے مدعی اُن کی قائم مقامی کا دعوے کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہم بے محنت و مشقت کے نادر ہو جائیں گے۔ اُن کا حال ایسے کسان کا سا ہے کہ جو اپنے زمین کو یہ سمجھے کہ وہ بنیادوں سے جوتے ایسے پھل پھول پیدا کر لگی۔ جو دنیا میں بی نظیر ہوں گے۔

زمانے میں علم کے اندر بزرگی اس وجہ سے بھی حاصل ہو جاتی ہے کہ اس میں علم کم ہو۔ پس تھوڑے علم کا عالم بھی وہاں منتظر ہوتا ہے کوئی اُس کے برابر نہیں ہوتا۔ جہاں روکھ نہیں وہاں ارزا ہی برکشی ہے پس وہ اپنے تئیں بی نظیر سمجھ کر صاحب کمال جانتے ہیں اور اُس پر خوب اچھرتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ صاحب کمال ہونا اور بات ہے اور جاہلوں اور نالائقوں میں علم کی وجہ سے ممتاز ہونا اور بات ہے اُن کے ذہن میں کمال کا مفہوم صحیح نہیں ہوتا۔ جو صاحب کمال کے معنی جانتا ہے وہ اپنے تئیں ناقص سمجھتا ہے جب وہ اپنی تصنیفات کو کمال کے معیار پر کرتا ہے تو اُس میں نقص پاتا ہے۔ ایک شاعر نے مثال دے کر کہا کہ میرے شعر سب کو کامل معلوم ہوتے ہیں۔ مگر مجھے ناقص۔ ایک اور شاعر جس کے برابر دنیا میں تھوڑے ہی شاعر

گزرے ہیں مرنے وقت کہتا تھا کہ یہ حسرت میں اپنے ساتھ لئے جاتا ہوں کہ میں نے ہزار اپنی جان ماری مگر کبھی ایک شعر کامل نہ کہا تھا ایک مضمون بھی جو اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا مرنے وقت یہ افسوس کرتا تھا کہ ساری عمر میں ایک دائرہ بھی کامل نہ کھینچ سکا۔

غرض پہلے زمانے میں جیسے علم ادب میں صاحب کمال گذرے ہیں ویسے پچھلے زمانے میں نہیں گذرے اس کا سبب کچھ تو یہ تھا کہ انہوں نے صحیفہ فطرت پڑھنے میں ایسی کوشش و محنت کی کہ کوئی بات سواء اس کے متاخرین کے لئے چھوڑی نہیں کہ وہ ان کی نقل بڑی بھلی کیا کریں ہمیشہ وہ ایک علم کی طرف توجہ کرتے تھے اور اسی کے اسرار جاننے میں محنت شاقہ اٹھاتے تھے۔ اگر شاہد بنا چاہتے تھے تو نشر سے ہاتھ اٹھاتے تھے اور اگر نشریں کمال پیدا کرنا چاہتے تھے تو شعر نہیں کہتے تھے اس لئے پہلے زمانے میں بہت ہی تھوڑے ایسے انشا پرداز گذرے ہیں کہ جن کو نظم اور نثر دونوں میں کمال ہو۔ بلکہ نظم میں بھی وہ ایک قسم کی شاعری پر توجہ کرتے تھے۔ اس زمانے کی طرح پہلے زمانے میں ہفتہ وار اور ماہوار اور روزانہ اخبار نہ نکلتے تھے کہ جسٹ پیٹ ان کی تصنیفات شائع ہوجاتی اس لئے برسوں وہ ان کے گھر میں پڑی رہتی اور اس کی اصلاح کا موقع ان باتوں سے ملتا لگتا۔ دشمنوں اور دوستوں کی برائے سے نئے نئے معلومات اور خیالات معلوم ہوتے۔ جب زمین محنت سے آرام پاتا ہے تو از سر نو پھر اس میں تازگی اور توانائی خیالات کوئے کی پیدا ہوجاتی ہے۔ فرحت اور فراغت میں خود سوچنے

سے خیالات کی درستی ہو جاتی ہے۔ غرض اُن کی تصنیفات بیسوں کی محنت و مشقت کا نتیجہ ہوتا تھا۔ پس جو لوگ کمال حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اپنی تصنیفات کو کمال بنانا تو اُن کو چاہئے کہ وہ بیسوں محنت کیا کریں۔ اور طرح طرح سے اپنی تصنیفات کی جانچ پڑتال کیا کریں۔ یہ غلط خیال ہیں نہ جمایا کریں کہ جو بات ہکوارا کو سوجھنی ہے اور دن کو ہم اُسے شالی کرتے ہیں وہ صحیح اور درست ہی ہوتی ہے۔ اس طرح اُن کے خیالات بہت تاریک و شائبہ ہونگے اور جلد لوگوں کی نظروں سے تصنیفات گر جائیں گی۔ خدا اُن کے دل پر پانچ دوست ہی اُن کی تصنیف کی تعریف پکڑے ورنہ تک کہ اُن کی زندگی ہی میں اُن کی تصنیفات مروجہ ہو جائیں گی۔

کمال حاصل کرنا بڑی محنت اور جانکاہی کا کام ہے بیسوں کی محنت اور مشقت سے بھی حاصل ہو جائے تو بہت غنیمت نہ کہ کمال حاصل کرنے میں بہت سچ سچ وقت اپنا ہاتھ آگے بڑھاتا ہے جو بیسوں پتے سائے میں خشک ہوتے ہیں وہ بہت دلوں تک اپنے رنگ اور سرسبزی کو قائم رکھتے ہیں۔ اور جو دھوپ اور آگ سے لہا رہے آتے ہیں وہ جلد پھلس جاتے ہیں۔ پس ایسے طرح جس ذہانوں کی تعلیم و تربیت میں ہوئی ہے وہ زیادہ تیرپا ہوتی ہیں۔ وہ دفعہ کی سختی اور زبردستی سے بچتے نہیں ہوتیں بلکہ دقت اور استقلال سے۔

(۴) ایسے شخص کو کمال حاصل ہو سکتا ہے جو بے ریا دوست اور سخت دشمن رکھتا ہے اس لئے کہ دوستوں کی نصیحت سے وہ اپنی

انہوں پر اور دشمنوں کی تفتیح سے اپنے عیبوں پر آشکار ہو گا۔
 (۲۳) ہر چیز کے اندر کمال ہونے میں لوگ قصد کرتے ہیں مگر اکثر
 چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں کمال حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔ جو کمال
 حاصل کرنے کا قصد کرتے ہیں اور اس میں بڑی محنت و جانکاهی
 کرتے ہیں وہ کمال کے نزدیک یہ نسبت ان لوگوں کے پہنچ جانے
 ہیں جو اپنی کاہلی اور مایوسی کے سبب سے کمال کا خیال اس وقت
 سے چھوڑ دیتے ہیں کہ ہم اس تک پہنچنے کے نہیں۔
 (۲۴) اگر تم وہ کمال حاصل کرنا چاہتے ہو جو تم میں نہیں ہے تو
 کبھی حالت موجودہ پر راضی نہو اس لئے اس حالت سے تم اپنی
 خوش ہو جاؤ گے وہیں شہر جاؤ گے جہاں تم نے کہا کہ مجھے سکائی
 کمال حاصل ہوگی۔ وہیں سے زوال شروع ہو جائے گا۔ ہر کمالے را
 زوال کے منی ہی میں کہ جہاں آدمی نے پہنچا کہ میں کمال
 ہو گیا وہیں زوال شروع ہوتا ہے۔ کچھ زیادہ کر دو ہمیشہ آگے بڑھو
 ایک جگہ نہ کھڑے رہو نہ آگے جاؤ نہ ہٹو۔
 (۲۵) درستی دکھاؤ۔

سوالات

- ۱۔ ثابت کرو کہ جو چیز چاہتی ہے وہ درحقیقت قائم نہیں رہتی۔
- ۲۔ انشا پر از کو بتاؤ۔ حاصل کرنے کے لئے جس بات کی ضرورت ہے۔
- ۳۔ تہمیدہ علم کی کس قدر ہوتی ہے۔
- ۴۔ پہلے زمانے کے اپنی کمال کی شکل کے اپنی کمال سے کیوں خالی ہو کرتے تھے۔
- ۵۔ کیسے کوئی کو کمال حاصل ہو سکتا ہے۔
- ۶۔ محنت اور جانکاهی کرنے والے لوگ کمال کو کیوں پہنچ جاتے ہیں۔
- ۷۔ موجودہ کمال پر راضی رہتے ہیں کیا قابل ہے۔

زبان گویا

اے میری بہل ہزار داستان ! اے میری طلوعی شیریں زبان !
 اے میری قاصد ! اے میری ترجمان ! اے میری وکیل ! اے میری
 زبان ! سچ بتا۔ تو کس درخت کی ٹہنی اور کس چمن کا پلہا سہنے کہ
 کہ تیرے ہر پھول کا رنگ جدا۔ اور تیرے ہر پھل میں ایک نیا
 مہا ہے۔ کبھی تو ایک ساحر فسون ساز ہے جس کے سحر کا رد۔ نہ
 جادو کا آثار۔ کبھی تو ایک افنی جاں گداز ہے کہ جس کے زیر کی
 دارو۔ نہ کاٹے کا مشیر۔ تو وہی زبان ہے۔ کہ بچپن میں بھی اپنے دوستوں
 بولوں سے غیروں کا جی لہکتا تکتی اور کبھی اپنی شوخیوں سے
 ماں باپ کا دل دکھاتی تھی۔ تو وہی زبان ہے۔ کہ جوانی میں کہیں
 اپنی نرمی سے دلوں کو شکار کرتی تھی۔ اور اپنی تیزی سے سبوں
 کو فکڑ کرتی تھی۔

اے میری زبان دشمن کو دوست بنانا اور دوست کو دشمن
 کر دکھانا تیرا ایک کھیل ہے۔ جس کے تھلے سیکڑوں دیکھے اور
 ہزاروں دیکھنے لگی ہیں۔

اے میری بنی بات کی بھارتی والی ! اور میرے بگڑے کاموں کی
 سنوارنے والی ! مٹوتے کو ہڈانا اور مہنتے کو رولانا۔ روٹے کو منانا
 اور بگڑے کو بنانا نہیں معلوم تو نے کہاں سیکھا ہے اور کس سے
 سیکھا ہے ؟ کہیں تیری باتیں پس کی گانٹھیں ہیں۔ اور کہیں تیرے
 بول شربت کے گھونٹ میں کہیں تو شہد ہے اور کہیں خفالت کہیں تو

زہر ہے اور کہیں تریاق۔

اسے زبان ہمارے بہت سے آرام اور بہت سی تکلیفیں پہنچا
ہزاروں نقصان اور ہزاروں فائدے۔ ہماری عزت۔ ہماری ذلت۔
ہماری نیکنامی۔ ہماری بدنامی۔ ہمارا چھوٹ۔ ہمارا بچ۔ تیری ایک
ہاں اور نہیں پر موقوف ہے۔ تیری اس ہاں اور نہیں نے کروڑوں
کی جانیں بچائیں اور لاکھوں کا سر کٹوایا۔

اسے زبان! تو دیکھنے میں تو ایک پارہ گوشت کے سوا نہیں۔
مگر طاقت مومنہ قدرت الہی ہے۔ دیکھ اس طاقت کو رانگاں نہ کہیں
اور اس قدرت کو خاک میں نہ ملا۔ راستی تیرا جوہر ہے اور آزاد
تیرا زیور ہے۔ دیکھ اس جوہر کو برباد مگر اور اس زیور میں زہک نہ
لگا۔ تو دل کی امن ہے۔ اور روح کی امنی۔ دیکھ دل کی امانت
میں خیانت نہ کر۔ اور روح کے پیغام پر طائفے نہ چڑھا۔ اسے زبان
تیرا منصب بہت عالی ہے اور تیری خدمت نہایت ممتاز۔ کہیں
تیرا خطاب کا شرف اسرار ہے اور کہیں تیرا لقب محرم راز۔ علم
ایک خزانہ نیبی ہے۔ اور دل اس کا خزانچی۔ حوصلہ اس کا قفل
ہے۔ اور تو اس کی کبھی۔ دیکھ اس قفل کو بے اجازت نہ کھول
اور اس خزانے کو بے موقع نہ اٹھا۔ وعظ و نصیحت تیرا فرض ہے
اور تلقین و ارشاد تیرا کام۔ ناصح مشفق تیری صفت اور مرشد
برحق تیرا نام۔ خبردار اس نام کو عیب نہ لگاتا۔ اور اس فرض
سے جی نہ بھراتا۔ ورنہ یہ منصب عالی بھتہ سے بچیں جائیگا۔ اور
تیری بساط میں وہی گوشت کا پھینکا رہ جائیگا۔ کیا بھگوبہ اس

ہے کہ تو بیخوش بولے اور طوفان اٹھائے تو غیبت بھی کرے
اور حسرت بھی لگائے تو فریب بھی دے اور چغلیاں بھی کھائے۔
اور پھر وہی زبان کسی زبان کہلائے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اگر وہی
زبان ہے تو زبان ہے۔ ورنہ زبان ہے بلکہ سراسر زبان ہے۔ مگر تیرا
قول صادق ہے تو شہد قائم ہے ورنہ تھوڑے دینے کے لائق ہے۔
اگر تو راست گفتار ہے۔ تو ہمارے منہ میں اور اوروں کے دل
میں جگہ پائے گی ورنہ گدڑی سے کھینچ کر نکالی جائے گی۔

اے زبان جنہوں نے تیرا کہنا مانا۔ اور جو تیرا حکم بجا لائے۔
اکھوں تے سخت الزام اٹھائے۔ اور بہت پھینٹے۔ کس سے
فریبی اور مشکار کہا۔ کسی نے گستاخ اور منہ پھینٹ آن کا نام
رکھا۔ کسی نے بڑکار ٹھہرایا اور کسی نے سخن ساز۔ کسی نے
بہ صمد بنایا۔ اور کسی نے غماز غیبت اور ہمتان۔ کر اور افزا۔
حسن اور حسنیت۔ گال اور دشنام بھگڑ اور ضلع۔ جگت اور پھبتی۔
غرض دنیا بھر کے سب ان میں نکلے۔ اور وہ سب کے سب
شہرے اے زبان یاد رکھ۔ ہم تیرا کہنا نہ مانیں گے اور تیرے
قالب میں جگڑ نہ آئیں گے۔ ہم تیری ڈور ڈھیلی نہ چھوڑیں گے۔
اور تجھے مطلق اعتنان نہ بنائیں گے۔ ہم جان پر کھینٹیں گے۔
پر تجھ سے جھوٹ نہ بوائیں گے۔ ہم سر کے بدلے ناک نہ گوائیں گے۔
اے زبان ہم دیکھتے ہیں کہ گھوڑا جب اپنے آقا کو دیکھ کر
محبت کے جوش میں آتا ہے۔ تو بے اختیار ہنستا ہے۔ اور
کتنے جنب پیار کے مارے بیتاب ہو جاتا ہے۔ تو اپنے مالک کے

ساتھ موم ہلاتا ہے۔ سبحان اللہ! وہ نام کے جانور اور انکا ظاہر و باطن یکساں۔ ہم نام کے آدمی اور ہمارے دل میں نہیں اور نہ ہاتھ پر ہاں۔

اتنی اگر ہمکو رخصت گفتار ہے۔ تو زبان راست گفتار دے اور اگر دل پر بھٹکو اختیار ہے۔ تو زبان پر ہمکو اختیار دے۔ جب تک دینا میں ہیں سچے کھلائیں۔ اور جب حیرے دربار میں آئیں۔ تو سچے بنکر آئیں۔

(حالی)

سوالات

- ۱۔ مصنف نے زبان کو کن کن القاب سے یاد کیا ہے؟
- ۲۔ مصنف نے زبان کی کیا کیا خوبیاں اور کیا کیا نقائص تحریر کئے ہیں؟
- ۳۔ زبان کی ایک ”ہاں“ اور ایک ”نہیں“ پر کیا موقوف ہے؟
- ۴۔ زبان کی قوت کا نمونہ قدرت اتنی ہوتا ثابت کرو؟
- ۵۔ زبان کے فرائض بیان کرو۔
- ۶۔ اگر زبان اپنے فرائض کو اچھی طرح اور ٹکڑے تو کیا نتیجہ ہو؟
- ۷۔ زبان کے کتنا ماننے والوں نے کیا کیا نقصانات اٹھائے؟
- ۸۔ مصنف نے مضمون بالا میں گھوڑے اور کتے کی تشبیہیں کن کاموں کے لئے دی ہیں اور ان سے تم کیا نتیجہ اخذ کرتے ہو؟
- ۹۔ مصنف نے اس مضمون میں کیا دعا مانگی ہے؟

زمانہ حال اور ماضی کی خوش بیانی کا مقابلہ

مختلف ملکوں کے آئین اور قوانین اور ان کے باشندوں کے اوصاف و اطوار ابتداء آفرینش سے ہمیشہ تغیر پذیر رہے ہیں۔

آج جو رسم مرغوب ہے۔ کل وہی محبوب ہے۔ آج ہم ایک رواج کے پابند ہیں کل دوسرے پر کاربند۔ خوش بیانی آج وہ سنیں جو کل نکتی۔ یورپ کے ابتدائے زمانہ تہذیب میں اسے بطور ایک فن کے تکمیل کرتے تھے اور مقدر کی قدر و قیمت فقط اس کی گویائی پر متصور تھی۔ جمہوری ضروریات کے لحاظ سے متقدمین کی علمی استعداد حوالہ زبان رہتی تھی۔ عام میلوں حرب گاہوں شاہی دعوتوں۔ اور عبادتخانوں میں شہرے شیریں مقال اپنے دلاویز قصیدوں۔ پرجوش جنگناموں۔ محرک مناجاتوں سے غضب و صفا کرتے تھے۔ موزیض تک قوی میلوں کی۔ تقریب میں جمع ہو کر وہ داد فصاحت دیتے تھے کہ یونانیوں کے دقیقہ شناس گروہ و بعد میں اگر بار بار تحقیر و آفریں کے نعرے بلند کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس خوش بیانی نے تماشہ لگا ہوں کو زینت بخشی۔ انظمی قہقروں اور خشمک شاعری نے دلچسپ کلام کے لئے پہلو خالی کیا۔ اس جماعت نے فصاحت و خوش بیانی کے لباس میں اپنے فرائض کو ایسے معتاد طور پر انجام دیا کہ متاخرین آج تک دنگ ہیں۔ زمانہ سلف میں سادہ بیان فلاسفہ تک اپنے خیالات کو یوں ترتیب دینے لگے کہ وہ تقریب عام کا مضمون بن سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ فصاحت خیالات کا ایک معمولی لباس ہو گئی خاص غرض یہ تھی کہ بولنے والے کا خیال اس قدر موزوں ہو کہ کشش کرے۔ ایسا پختہ ہو کہ موزوں ہو سکے۔ یہاں تک مضبوط ہو کہ سامعین کے حافظے میں محفوظ رہے اور جانئین ہو جائے۔ تحریک اور ترغیب کے حوصلے

اور سچے جوش سے اسپیکر کی تقریر دہم دم تازہ اور مؤثر ہوتی ہوئی
 نظر آتی تھی۔ مجمع عام کے سامنے از سر تازہ تقریر نظر آنا سابق
 کے فصحا کا ایک اونٹنے کمال تھا۔ ایسی حالت میں اُن کے اُستاد
 سرکات و سکنات اور ترغیب کا حقیقی شوق کیونکر ممکن تھا کہ
 سامعین کو والد و شیدا بنانے میں ناکام رہے۔ اسپیکر کے الفاظ
 میں ایک عجیب کشش مقناطیسی ہوتی تھی جو سامعین موافق
 و مخالف معتقد و غیر معتقد سب کے دلوں کو کھینچ لیتی تھی۔
 یہ فصاحت فقط خالی آواز نہیں تھی۔ یہ وہ شعلہ صفت خیال
 تھے جو ایک عالی دماغ اسپیکر کے دلی جوش سے نکلنے اور اُس کی
 طبعی لیاقت سے مزین ہو کر جلوہ گر ہوتے تھے۔ یونانیوں کے
 بہتے جیسے اور باریک بین گروہوں کے سامنے عرصہ بلاغت و
 میدان فصاحت میں قدم بازی کرنا دل لگی نہ تھا۔ اور یہ زمانہ
 سابق کے فصحا ہی کے حوصلے تھے کہ اسے زنی کے خطرناک میدان
 میں آواز نہ جولاں طبیعت دکھاتے تھے۔ ایسے زمانے میں ہر ایک
 آدمی چاہتا ہے کہ میں خوش بیاں ہو جاؤں۔ اس کی وجہ کیا
 باتوں پر حکومت کرنا۔ عنان اختیار اپنے ہاتھ میں لانا۔ انعامات
 حاصل کرنا۔ خطابات و عزیمات کا مستحق کہلانا۔ اسی ایک بنیظ
 طاقت پر موقوف تھا۔ اس زمانے میں خوش بیانی کی منزلت
 یہاں تک حد اعتدال سے متجاوز ہوئی۔ بجائے اس کے کہ
 لوگ اُس سے مستغنیہ باتوں میں ترقی کریں۔ اپنے ہر ایک ارادے
 کے پورا کرنے کا اُس کو ذریعہ سمجھتے گئے۔ رومانوں کی فصاحت

کبھی اسی وقت تک قابل قدر رہتی جب تک اس میں بناوٹ کو
 دخل نہ ہو۔ صداقت خیال کی روح ہے۔ خیال بالکل محض ہیوگی
 ہے۔ زمانہ گزشتہ کی فصاحت یا خوش بیان اگر کامیاب ہوتی تھی
 تو زیادہ تر لفاظی و لسانی سے ہوتی تھی۔ زمانہ حال کی خوش
 بیانی اس سے بہت کچھ متفاوت ہے۔ متاخرین نے جہاں اور
 علوم کو بچنے کر دیا ہے فصاحت کو بھی مدلل اور موزوں بیان
 میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ آج کل کے فصیح اپنے
 مضبوط سے مضبوط خیالات کو بھی لفاظی۔ زیادہ گوبی اور انواع
 و اقسام کی جادو بیانی سے ظاہر نہیں کر سکتے۔ الا اس صورت
 میں کہ فی الواقع کوئی ملکی پیچیدگی کوئی لانیچل مسئلہ یا اشتغال
 خیز معاملہ زیر بحث ہو۔ جس میں دل معمولی زنجیروں سے
 آزاد ہو جاتا ہے۔ جوں جوں قانون کا احاطہ پھیلتا ہے تہہ
 کا مہمان وسیع ہوتا ہے۔ جوں جوں خیال میں سادگی اور
 باقاعدگی آتی ہے دوں دوں فصاحت کی لیاقت اور قدرت
 میں بھی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ یقین نہیں کہ فصاحت کا
 دل بھانے والا اثر زائل ہو جائے۔ تاہم آجکل کے آپیکر
 کے لئے اپنے الفاظ پر قادر ہونا اور اپنے دلائل کے انتظام
 سے باخبر رہنا از بس ضروری ہے۔ اس سے ہمارا یہ مطلب
 نہیں کہ آجکل کی فصاحت سابق کی طرح شرم برپا نہیں کرتی
 لیکن اس میں کھلم نہیں کہ اس کی طاقت کے آجکل وہ
 دور دور سے نہیں رہے جو پیشتر تھے۔

پریس نے اُس لاجواب طاقت کو کسی قدر پست کر دیا ہے۔
 اس نئی ایجاد کے ذریعے سے انسان ایک گوشے میں دیکھے دیکھا ہے۔
 اپنے خیالات کی اشاعت کر سکتا ہے۔ اس سے منقریہ یقیناً تو
 مروجہ برقی لفظ آتی ہیں۔ مگر ذہانت کی سنگینی اور جمہوریت بالعموم ان قدر
 کمزور ہو گئی ہے کہ اعلیٰ درجے کا اثر پر دواز بولنے میں خاک اثر
 پیدا نہیں کرتا۔ اور جو اسپیکر ہیں وہ بلبان اور حاضر جواب نہیں
 پائے جاتے۔ نہایت بزمِ مفرغ تحریریں دیکھنے میں آتی ہیں مگر ایک مجمع
 کے سامنے اُسی قسم کی جادو بازی اور مورقہ ثانی آسان کام نہیں۔
 جہاں مجمع کے روبرو کھڑے ہوئے ہوئے دھواں دار اس نادر
 سب تیزی طراری معطل۔ دلائل باطل لاطائل۔ الفاظ میں کہ
 وبال ہو گئے۔ بولنا بلا کا سامنا قیامت کا مقابلہ ہو گیا۔ چہ ہی
 زندگان خدا لفظ آئیں گے۔ جو اپنے خیالات پر اس قدر قادر
 اور حاکم ہوں کہ بے تحاشا گفتگو کر سکیں۔ لوگ دن بدن خلافت
 سے باطل ہوتے جاتے ہیں۔ رساجات مطبوعہ کو سب سے الگ
 تھنگ بیٹھا ہی بھلائے کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی تہذیب
 بھی تو سامعین اسے اٹھ کتابتِ عبارت سے ملائے لگے۔ اور طرز یہ
 کہ جو بات سلف میں فصاحت کہلاتی تھی اب یادہ گوئی سے موسوم
 ہو گئی۔ ہمیں اپنی ضروریات کو خیال میں لا کر اپنی فصاحت
 کو میزان میں تولنا چاہئے۔ کچا وہ فصاحت جسے جوش پر
 خیال کہنا روا ہے قدیمی فصاحت کا مدعا ترغیب
 تھا۔ حال کی فصاحت کا مقصد ترغیب کے علاوہ یقیناً

دلانا بھی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آجکل کے اسپیکر کو تعلقات کا ردار فزون محض اور آداب و قواعد میں بہت کچھ ورک ہو۔ غرضیکہ اس زمانے میں فصاحت کے ساتھ قوتِ مددگار کی صفائی از بس ناگزیر ہے۔ زمانہ سابق میں نیک سفید مٹی اور سچی باتوں کے رواج پر زور تھا۔ آجکل انصاف صداقت ترقی اور شرافت کا قائم رکھنا مگر نظر ہے لہذا اسپیکر کے لئے معاملہ فہمی اور دقیقہ رسی میں احتیاط رکھنا لازماًت سے ہے۔

(منشی چرام صاحب۔ از رسالہ من تقریر)

سوالات

- ۱۔ خوش بانی میں قدیم زمانہ سے اب تک کیا تبدیلیاں واقع ہوئیں؟
- ۲۔ کون کون جماعتوں میں خوش بانی کا رواج و ترقی ہو رہا ہے؟
- ۳۔ زمانہ سلاطین میں سادہ بیان فلاسفہ اپنے خیالات کو کس طرح ترتیب دینے لگے تھے اور اس کام سے ان کی کیا خواہش تھی؟
- ۴۔ یونان و کلاسیک چین جماعت کے زمانہ قدیم فصاحت کس طرح کی تقریریں کیں؟
- ۵۔ رومانوں کی فصاحت کب تک قابلِ قدر رہی؟
- ۶۔ مسخریوں نے فصاحت میں کس قدر دخل دیا ہے؟
- ۷۔ آج کل کے اسپیکر کے لئے کس کس بات کی ضرورت ہے؟
- ۸۔ سپریم کا اثر فصاحت و باریکی پر کیا ہے؟
- ۹۔ آج کل کے فصاحت جماعت کے روبرو کسی تقریر کرنے میں؟
- ۱۰۔ قدیم زمانے میں فصاحت کا کیا کیا تھا اور آج کل کیا ہوتا ہے؟

خوش خلقی و نیک چلنی

منشی اسپیکر ہونے کے لئے نیک چلن ہونا ایسا ہی ضروری ہے جتنا کہ آئینہ کے لئے صفائی۔ بد چلن آدمی کے دل میں وہ توانائی

اور آزاد روی ہی نہیں ہوتی جو خیالات کی پیدائش اور ان کے
اظہار کے لئے لازمی ہے جس شخص کو ہر وقت اپنے عیوب کا علم رہتا
ہوتا ہے۔ اُس کا دلی شوق ہمیشہ پابجولاں رہیگا۔ ہر دم کی پستی
و ادنیٰ ندامت فکر بلند کو پاس تک نہیں آئے دیتی۔ ایسا آدمی گوش
کرتا ہے کہ اخلاقی مضامین یا مذہبی قوانین پر گفتگو کرے۔ مگر ہر لفظ
پر چونک اٹھتا ہے۔ بات بات پر دل میں نعیف ہوتا ہے۔ حوصلہ و
ہمت کو پھر فراہم کرتا ہے۔ مگر غیث باطن کو کیا کرے۔ انفعال سے
لاچار ہے۔ آخر میں چہ می مریم و ظہور من چہ می مریم کا مضرب
دیکھ کر خود ہی بیچارہ مہر مہر ہو جاتا ہے۔ نیکی بذات خود ایک بوہر
ہے۔ اس سے طبیعت میں ایک آزادی پیدا ہوتی ہے۔ جسے کوئی
چیز نہیں پہنچتی۔ بدخون و نظر از دانہ تقریر کرنے کے لئے انسان کا
طبعی طور پر خوش خلق و نیک چلن ہونا ضروریات سے ہے۔ نیک آدمی
خیر خواہی سوام کو اپنا فرض سمجھتا ہے۔ بدخواہ کا دل زمین شور سے
بدتر ہے۔ جس سے کبھی پھول پھل کی تفتانہ رکھنی چاہئے۔ خاصکر
وہ آدمی جو عیوب کی وجہ سے انگشت نما ہو کبھی بطور ایک اسپیکر کے
اثر پیدا نہیں کر سکتا۔ آدھر کسی بریلین آدمی نے زبان نکھولی دھر
سامعین کے دلوں میں اُس کے ذاتی اطوار کے خیالات تازہ ہو گئے
آپس میں چٹنگیں ہونے لگیں یا لوگوں نے فقرے پر فقرہ چست کیا
کسی نے آوازہ کیا۔ کسی نے پھبتی کہی۔ چلنے اسپیکر کے آئے جواب
غائب۔ برخلاف اس کے اگر کوئی نیک آدمی انجن آرا ہو خواہ اسے
الفاظ بالکل بے شکے اُس کی تقریر محض لغو کیوں نہ ہو۔ لیکن نسبتاً

اُس کا نیک چلن ہوتا ہی بڑی بھاری سفارش ہے۔ مرث اُس کی نیکی کے خیال ہی سے سامعین کے دلوں میں اُس کی تعظیم۔ اُس کے انبیاءات کی قدر اور اُس کی باتوں کی توقیر پیدا ہو جاتی ہے۔ لہر حال اسپیکر کے لئے نیک ہونا اور نیک کہلانا واجب ہے۔
(خطی بنے رام صاحب۔ از رسالہ فن تقریر)

سوالات

- ۱۔ میں اسپیکر کے لئے نیک چلن کی کیوں ضرورت ہے۔؟
- ۲۔ نیکی کا اثر فصاحت پر کیسا پڑتا ہے۔؟
- ۳۔ بہن کی تقریر کا اثر سامعین پر کیوں بڑا پڑتا ہے۔؟
- ۴۔ نیک چلن کی تقریر مؤثر کیوں ہوتی ہے۔؟

مضمون نویسی

مضمون نویسی کوئی ایسی آسان اور سہل چیز نہیں ہے جیسا لوگ آجکل سمجھے ہوئے ہیں کہ آٹھ گھنٹیں بند کیس اور صفحے کے صفحے رنگ ڈالے۔ جب تک کسی فن کے قواعد سے پوری واقفیت نہ ہو اور نفس دعا پر غور و خوض کرنے اور ترتیب کی قابلیت نہ ہو طبع آزمائی کرنا آٹھ گھنٹہ بند کر کے ماستر چلنا ہے۔ اس لئے اس کے متعلق چند مختصر قواعد انتخاب کر کے لکھے جاتے ہیں۔

مضمون نویسی میں نفس مضمون کو دیکھا جائے کہ کس بات پر یہ مضمون لکھا جاتا ہے۔ ابتدائی حالت میں عام فہم اور گرد پیش افکار مضمون منتخب کیا جائے۔ جس میں آسانی ہو۔ اور جس مضمون کو لکھنا ہر پہلے اُس کے متعلق کافی طور پر کتابوں سے مادہ

دماغ میں اکٹھا کرنا چاہئے۔

مضمون میں پہلے تمہید مضمون کے مناسب لکھے اُس کے بعد نفس مطلب کی تشریح کر کے نتیجہ صاف طور پر لکھائے۔ مضمون نویسی کا فائدہ یہ ہے کہ اُس سے معلومات بڑھتے ہیں اور واقعات کا ترتیب دینا آتا ہے۔ لارڈ میکین کہتا ہے کہ پڑھنے سے انسان عقلی ہوتا ہے اور مباحثہ سے مستعد اور لکھنے سے کامل ہو جاتا ہے۔

مضمون نویسی کے لئے لازم ہے کہ عالم فاضل مصنف اور لائق انشا پردازوں کی تجویزات بغور پڑھو اور غور و غوض کی حالت دانو اور جہتک ممکن ہو احتیاط کے ساتھ لکھو۔ کیونکہ جس طرح زمین کو جتنا گہرا کھودا جائے اُسی قدر بقی کی عمدہ پرورش ہوتی ہے اور زیادہ بارش ہوتا ہے۔ اسی طرح تحریر میں جس قدر غور سے کام لے سلاطین و مسانی کے پھل پھول دامن تلاش کو گوہر مقصود سے بھرتے ہیں۔

منہاجین یا اخلاق پر ہوتے ہیں جیسے راستبازی دیانت داری نیامنی وغیرہ یا علم پر جیسے عقل۔ دماغ۔ حافظہ۔ خواہش وغیرہ۔ دھن۔ شہادت یا شہارنج پر جیسے کس کے حالات۔ عمدہ طرز تحریر کے لئے منتخب اور باموقع الفاظ ہونا چاہئے۔ اور ترتیب مضامین سلیقہ سے ہو۔

(شون)

سوالات

- ۱۔ مضمون نویسی کے بلاکین کن باتوں کی ضرورت ہے؟
- ۲۔ مضمون نویسی کی تیاری کس طرح کرنی چاہئے؟
- ۳۔ مضمون کے تحت کس طرح ترتیب دینا چاہیے؟

کتاب

اسے میری سچی انگسار۔ میری تنہائی کی موہنی۔ رنج و راحت کی شرمیلی
میری ادیب۔ میری مددگار۔ میری کتاب! تیری دلداری و شہسواری پر
میں تیار۔ ہر حرف تیرا غنیمت ہے اور ہر لفظ تیرا جھگڑتا ہے میری لوح
و جدول سہر رخسار کے خط و خال سے زیادہ دلاور ہے میرے مصحف
رخ کی زیارت مسرت خیز و نشاط انگیز ہے۔

تو ارشاد و ہدایت کا سرچشمہ ہے اور نیکی و پاکیزگی کا سراپہ۔ تو
علم کی کان ہے اور اخلاق کی جان فرع و اہل عقل و نفس کا تو
خزینہ ہے اور سلع کی تحقیق و معلومات کا گنجینہ۔ تیری شعلہ سے
دلخ کو روشن اور عقل کو مزین کیا۔ آدم خاکی تیری بدولت افرات
مخلوقات ہوا۔ تو محرم راز و محزون اسرار ہے۔ تو ہمارے بزرگوں
کی دماغ سوزی کی بہترین یادگار ہے۔ تو مظاہر قدرت کا منج ہے
اور زمانے کی نیرنگی کا مرقع۔ ازل تیری ابتدا اور ابد تیری انتہا ہے
تو ایزد شناسی کی بہم دہندہ ہے اور معرفت الہی کا ذریعہ۔ تو نے
ذات باری کی وحدت ظاہر کی و منصف حقیقی کی معدت۔ خدا پرستی
و خدا ترسی نکھالی۔ کارساز کریم کی کارسازی اور مشککشانی تو نے
بتائی۔ اس کی شان جلالت کی دلیل اور اس کے دیباچہ رحمت
کی سبیل تو نے دکھائی۔

دین کی قلم و اگر تیری جاگیر ہے تو دنیا کی ملک بھی تیرا سر
ہے۔ فضا سے بسیط کا بسط۔ مادے کا ہیکان و حرکت۔ بحر مٹاج کی

دانی۔ کردہ نار کی آتش فشاںی۔ عناصر کی تعدیل و ترکیب۔ عالم دنیا
 کی تکوین و ترتیب۔ اور مولید ثلاثہ تیرا دیباچہ ہے۔ نسل انسانی
 کے بانی حضرت آدم و حضرت حوا کا بہشتی زندگی سے سیر کرنا۔
 آب و گل و نیوی میں پھنسا۔ دنیا کو دین کی طرح بڑھنا۔ اور
 دیرانہ جہاں کو اپنے اہل و عیال سے بسانا تیرا مقصد ہے۔
 بنی آدم کی ابتدائی اوقات گزاری۔ ان کی عملی زندگی تیرے
 ترقی اصطلاح معاشرت۔ اشیاء کی حقیقت۔ قانون قدرت سے واقفیت
 تیرا ایک دزن ہے۔ موجودات و نیاد کائنات عالم پر انسانی قبضہ
 تاریخ ازمنہ سابقہ و قرون مختلفہ۔ عصر کی دانش۔ ہند کی
 بنیاد۔ فارس کی ذی ہوشی۔ یونان کی روشن دماغی۔ اہل
 عرب کی حکمت آموزی۔ دانیان فرنگ کی بڑی اندوزی۔ تیرا
 ایک۔ سہن ہے۔ تو علم و عمل کی عادی۔ ادب و معارف کی
 خالی ہے۔ تو ہر علم کی عاقل اور ہر فن کی کامل ہے۔ تو اس
 عالم تیرا ایک صفحہ۔ اور اگلی قوموں کا نزول و زوال تیرا خاک
 ہے۔ عروس دنیا کی زمینی۔ زمانے کی بے قلبی تیرے دم سے
 حسن کی ہنگامہ آرائی۔ عشق کی کاغذی تیرے قدم سے ہے
 تیرا ہر واقعہ عبرت خیز۔ اور تیرا ہر انسان حیرت انگیز ہے۔ شہاد
 کے بہشت کی کیفیات۔ سکندر اعظم کی فتوحات۔ حضرت اکبریات
 تیرا دلربا فسانہ ہے۔ لیلیٰ و مجنوں کے جذبات۔ شیریں و فریاد
 کے عشق کی عارواں تیرا اونٹ کرشمہ ہے۔
 اصلا تیرا کام ہے اور منتاح تیرا نام کہیں تو دوستوں کی

تفسیر کرتی ہے۔ کہیں دشمنوں سے بچنے کی ترکیب بتاتی ہے۔ کہیں جانب منفعت کا گڑھ دکھاتی ہے۔ اور کہیں دفع مفسد کا شوق برعکاسی ہے۔ تو ایام گزشتہ کا صحیح اقدیمہ۔ قدام کا ہوا۔ ہوا مرچا ہے۔ تو حیرت دہاں۔ اور ستر فطرت کی ترجمان ہے۔ تو یاس و ہراس میں تشفی دیتی ہے، اور عیش و نشاط میں اعتدال کی تاکید کرتی ہے۔

تو آسائش و شوخی کی تفسیر اور خواب راحت کی تعبیر ہے تو سیرتیں کونین و ستر دفع دارین ہے، تو عقل و فکر کی ہیکل اور ذہن و جودت کی حقیقت ہے۔ تو لوگوں کی شفیق اور جملی کی اتالیق اور بڑھاپے کی رفیق ہے۔ کوئی تیری فصاحت پر نائل اور کوئی بلاغت کا قائل ہے۔ تیرا ہر لفظ اخلاص کے پھولوں میں بسا اور تیرا ہر نقطہ سطر محبت میں ڈوبا ہوا ہے۔

تیرے قدر شناس صفحہ ہستی پر نشہ نہیں گے۔ بڑے دلدادہ دامن فیض کو بھی چھوڑ گئے۔

اے چشم بصیرت کی روشنائی! قلندہ دل کی مومیالہ! میری دیلائے معالیٰ! تیری زلف گرہ گیارہ کا میں اسیر۔ اے میری جان۔ میری ایمان! جب تک دم میں دم ہے تو میرے ساتھ ہے۔ اور مرنے کے بعد بھی تو ہی میری وسیلہ نجات ہے۔

(سیرت عابدین)

سوالات

۱۔ مصنف نے کتاب کو کن کن باتوں سے یاد کیا ہے اور ہر ایک نام کی کیا کن دلیلیں ہیں؟

۳۔ کتاب کے فوائد بتاؤ۔ ۴۔
۵۔ ثابت کرو کہ دنیا و بچے دونوں کے لئے کتاب مفید ہے۔ ۶۔

کتاب کا مطالعہ

مطالعہ تنہا و عزت میں خوشی بخشتا ہے گفتگو و تقریر میں
حسن بیان پیدا کرتا ہے۔ معاملات کے فیصلہ کرنے اور مقدمات
میں رائے دینے کی قابلیت بڑھاتا ہے۔ پس مطالعہ سے خوشی حسن
بیان اور قابلیت بڑھتی ہے۔ گو معاملات اور مقدمات کو تیز و
جلاک آدمی بھی فیصلہ کر دیتے ہیں۔ مگر مقدمات و منصوبوں کی
ترتیب اور عام اصلاح کی تدبیر جیسی کہ چاہئے اچھے عالم و
فاضل ہی کرتے ہیں۔

۷۔ قسم اس واسطے نہ پڑھو کہ لوگوں کے خلات باتیں کہیں گے۔
اور انکی باتوں کی تردید کریں گے یا سب باتوں کو ٹھیک اور
تسلیم کریں گے یا ہم خود بہت سی باتیں بنائیں گے۔ بلکہ پڑھنے
سے مقصد اعظم یہ ہو کہ ہم لوگوں کی باتوں کو تو لیں گے۔
اور سوجھیں گے۔ پھر جو عمل کرنے کے قابل ہوں گی ان پر عمل
کریں گے بعض کتابوں کا سونہ مزہ چکھا جاتا ہے۔ یعنی ان میں
سے کچھ کچھ پڑھا جاتا ہے بعض بالکل نگلی جاتی ہیں۔ یعنی کل
پڑھی جاتی ہیں۔ مگر بے توجہی اور بے سوزی سے۔ بہت تھوڑی
کتابیں ہیں جو چبا چبا کے ہضم کی جاتی ہیں۔ یعنی اول سے
آخر تک بڑی توجہ اور غور و فطن سے پڑھی جاتی ہیں۔ کتابوں
ہمکے انتخابات سے جو کتابیں بنتی ہیں۔ ان کا حال آیت مفسر

کا سا ہے۔

آدمی پڑھنے سے کامل بنتا ہے۔ اس سے تقریر شستہ اور تحریر
چست و درست ہو جاتی ہے۔ تاریخ کا مطالعہ آدمی کو دانشمند و
بحرہ کار بنا دیتا ہے۔ نظم کا طبیعت میں جود پیدا کرتا ہے علوم
ریاضیہ کا طبیعت کو ذکی بناتا ہے۔ اور علوم طبیعیہ کا ذہانت کو
عمیق علم اخلاق کا سنجیدہ و متین۔ منطق و علم بلاغت و
فصاحت کا مباحثہ و مناظرہ کی قابلیت پیدا کرتا ہے۔ غرض مطالعہ
کا اثر ضرور انسان کے اوضاع و اطوار و کردار پر ہوتا ہے۔

انسان کے امراض جسمانی کے جیسے خاص علاج ہیں ایسے ہی
امراض ذہنی کے بھی مخصوص علاج ہیں۔ سینہ و شش کا
علاج شکار معدے کا علاج سچ سچ قدم چلنا۔ دماغ کا علاج
گھوڑے پر سوار ہونا۔ علیٰ ہذا التیاس اور علاج ہیں۔ اعطاج
اگر ذہن میں آوارگی و پریشانی ہو تو علوم ریاضیہ کا مطالعہ
اس کا علاج ہے۔ جو اس کے ذہن کی پریشانی کھدوے گا۔ اگر
ذہن بے تمیز ہے کہ دو چیزوں میں تمیز اور فرق نہیں کر سکتا۔
تو حکمت و فلسفہ اس کا علاج ہے۔ اگر ذہن ایسا ہے کہ وہ
ایک بات کے ثبوت سے دوسری بات کی توضیح نہیں کر سکتا۔
تو قانونِ مالوں کے فیصلہات کا بڑھنا اس کی دوا ہے۔

غرض امراض ذہنی کے ایسے ہی علاج ہوتے ہیں۔ مطالعہ
کتاب میں تو عاقلوں سے باتیں ہوتی ہیں اور کاروبار زندگی
کے معاملات میں بیوقوفوں سے۔ جو مطالعہ کتب ہمارے

کاروبار زندگی میں کام نہیں آتا۔ اُس کو بھی بیکار نہ جانو۔
 کیونکہ وہ ہماری عقل و فہم کو درست کرتا ہے۔ مطالعہ ہی
 ایک ایسا فن ہے جو اور فنون کے استعمالی کو سکھاتا ہے۔
 دانشمندی کے کلام کے مطالعے پر جو نوجوان اپنے دماغ کو تربیت
 کرے گا تو ابتدا میں مسرت حاصل ہوگی۔ پھر دانائی کے ساتھ
 مواصلت کسی مطالعہ سے مضرت نہیں ہوتی۔ بلکہ ہر مطالعہ کے
 ساتھ مسرت ہے۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ علم کے پیچھے
 بیٹے سے شکت کو مضرت پہنچتی ہے وہ بڑی غلطی کرتے ہیں۔
 مشاہدہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مطالعہ کرنے والوں کی طرح
 بھی ایسی ہوتی ہیں۔ جیسی اور ہمیشہ والوں کی۔ اس مشاہدہ کی
 صداقت کی شہادت تاریخ بھی دیتی ہے۔ عالمیوں کی باقاعدہ
 اور آرام کی زیست صحت و تندرستی کو زیادہ کرتی ہے۔ اور
 بہت سی شکالیں اور امراض سے بچاتی ہے مگر اس کے ساتھ
 یہ شرط ضرور ہے کہ وہ اپنی فضول حرارت جسمانی کو ممتدل درجہ
 جسمانی سے کم کرتا رہے اور جسم کو کابلی کا عادی نہ بنائے۔
 آدمی اپنے وقت کاٹنے کے لئے حقہ پیتے ہیں ہلاس سونگھتے
 ہیں۔ اور ان سے مسرور ہوتے ہیں۔ اب اس سے سمجھ لینا
 چاہئے کہ جو لوگ کسی فن اور علم کا مطالعہ کرتے ہیں ان کا
 وقت کیسا خوش سے گزرتا ہوگا ابتدا میں جو اس کے اندر محنت
 معلوم ہوتی ہے۔ وہ آگے جا کر تفریح طبیعت ہو جاتی ہے۔
 جب آسمان پر چاند کا لمبہ روشن ہو تو یہ وقت تیرہ

مطالعہ کے لئے اچھا ہے کہ تیری کتاب کے صفحوں پر چاندنی پڑے اور تو اس میں باریک اور تاریک معانی کو دیکھے۔ اور چاند اور ستاروں کی سحرکاری کو سمجھے۔

نفس کے واسطے مطالعہ ایسا ہے جیسے جسم کے واسطے ورزش۔ ورزش جسمانی سے جسمانی تنہا ہوتی ہے اور تندرستی حاصل ہوتی ہے۔ مطالعہ سے نیکی جو روحانی صحت ہے۔ حاصل آتی ہے۔ ورزش سے جو خاص جسم کی تندرستی کے لئے کی جائے کچھ ٹھکان ہوتا ہے۔ اسی طرح مطالعہ سے بھی جو فقط نیکوکاری کے واسطے کیا جائے کچھ تکلیف ہوتی ہے۔ مگر جب کہیں پسندیدہ کام سے مشرت پیدا ہوتی ہے تو اس کی تکلیف اور ٹھکان کی پروا نہیں ہوتی۔ شکار کھیلنے سے مشرت و صحت ویسی حاصل ہوتی ہے۔ کہ اس کی محنت بہت معلوم ہوا کرتی ہے۔ ایسی ہی تمثیلات اور نقل و سکیات کی نصائح کے مطالعہ سے اندازاً و تحت روحانی حاصل ہوتی ہے اور اس کی محنت کچھ نہیں معلوم ہوتی۔

بعض مطالعہ کرتے۔ والے ایسے نادان ہوتے ہیں کہ متذکرین کی وہ کتابیں مطالعہ میں رکھتے ہیں۔ جن کا بہت سا حصہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا لیکن جہاں کہیں کوئی مضمون ان کی سمجھ میں آ جاتا ہے۔ تو خوشی کے مارے اچھل پڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں میں سمجھ لے نہیں سکتا لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ دن باتوں میں سے ایک سمجھ میں آئی۔ تو کیا آئی۔

سوالات

- ۱۔ مطالعہ کے فوائد تحریر کرو۔
- ۲۔ چالاک آدمی اور عالم میں کیا فرق ہے۔
- ۳۔ پڑھنے کا کیا مقصد ہونا چاہیے۔
- ۴۔ کن کن علوم کے مطالعہ سے کیا کیا فوائد ہوتے ہیں۔
- ۵۔ اراضی ذہنی کا علاج مطالعہ سے کیونکر ہو سکتا ہے۔
- ۶۔ دانشمندوں کا کلام مطالعہ کرنے سے دھیانوں کو کیا کیا فائدے ہوتے ہیں۔
- ۷۔ ثابت کرو کہ مطالعہ کتب سے صحت کو نقصان پہنچنے کا خیالی غلط ہے۔
- ۸۔ ثابت کرو کہ مطالعہ ایک چھٹا شغل ہے۔
- ۹۔ کیا ثبوت ہے کہ نفس کو مطالعہ ایسا نافع ہے جیسا بدن کے لئے ورزش۔
- ۱۰۔ کیسی کتابوں کا مطالعہ بہتر ہے۔

سنت

تجسّیل علم کے دو طریقے ہیں۔ ایک اصولی۔ دوسرا عملی۔ جو علم کتب سے حاصل ہوتا ہے اس کو (اصولی) اور جو سفر کے ذریعہ سے سیکھا جاتا ہے اس کو عملی کہتے ہیں۔ اصولی قاعدہ علموں کا دوسرے شخصوں کے خیالات یا آن کے مشاہدے یا تجربے پر مبنی ہونا ہے برعکس اس کے ذاتی مشاہدے اور شخصی تجربے کا نام عملی طریقہ ہے۔ صورتِ ادل میں ہم دوسروں کی جدو جہد کے نتائج اور دستِ نگر ہیں اور شکلِ دوم میں ہم مختار اور آزاد ہیں۔ یا یوں کہنے کو ایک حالت میں ہماری رفتار کا انحصار بیرونی حرکت پر ہے اور دوسری صورت میں ہرچہ بادا باد ماکشتی در آب انداختم یہ کار بند ہونا پڑتا ہے۔ پس ظاہری عملی طریقہ کا نقشِ نقش کا کھر کا حکم رکھتا ہے اور صمیم نتائج کے پیمانہ کرنے میں ہنٹ

معاون ہوتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ انسانی زندگی دقتوں کی منجھی اور
 پیچیدگیوں کا مجموعہ ہے۔ کبھی انسان کو مصیبت و تکلیف کا سامنا
 کرنا پڑتا ہے۔ کبھی رنج و غم کا۔ اور کبھی غریب و کمیت کا۔
 اور چونکہ انسانی شکل میں یہ دلوں کا دھڑکن ہے۔ جو انسان کو بہر
 کرتی ہیں کہ وہ علی طریقے کو خیر باد کہے اور اصولی قاعدے
 سے اپنے علم کی پیاس کو فرد کوڑے اور عرت کتے پر قنات
 کرے۔ لیکن وہ ہمارے شخص جو ان بلاؤں سے بڑی ہے یا
 پہلو میں ایک جو شہلا اور پڑھنگ دل رکھتا ہے۔ کسی طرح
 محض مطالعہ کتب سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔ اس کا بہت بہ
 بارخ اور اس کا محقق دل اس کو کبھی اجازت نہ دیں گے
 کہ در سے کے گوشے یا کتب خانے کی چار دیواری میں محدود
 رہے۔ شیخ سعدی۔ ابن بطوطہ۔ سرسید کی سوانح عمریاں ہمارے
 اس دعوے کی قائل ثبوت ہیں۔

طریقہ علمی کی اس قدر وضاحت اور تفریق سے میرا یہ منشا
 نہیں ہے کہ صرف سفر ہی تحصیل علم کا مقول ذریعہ ہے بلکہ
 مطالعہ کتب و اخبار بینی وغیرہ بھی اگتتاب علم کے خاص ذرائع
 ہیں۔ اور اس کے حاصل کرنے میں ایک معتد بہ مدد دیتے ہیں
 سفر نفوی سنی کی رو سے صرف شہر سے باہر جانے پر دلالت
 کرتا ہے لیکن اصطلاحی سنی کے لحاظ سے بہت وسیع لفظ
 ہے۔ ہر ایک عجیب و غریب شے کو بنظر تحقیق مشاہدہ کرنے کا

علاوہ غیر مالک کو دریافت کرنا نئی نئی تجارت سے مستفید ہونا
 دنیا کے تشیب و افراز سے واقفیت پیدا کرنا۔ سفر کے معنی آدمی
 میں داخل ہیں۔ وہ قومیں جنہوں نے سفر کے مفہوم کو بخوبی
 سمجھ لیا ہے اور اپنی زندگی کے مدعا میں دنیا کا سفر کرنا
 بھی داخل کر لیا ہے آج ترقی کے فلک الافلاک پر صدرائے
 نظر آتی ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہم ہندوستانیوں میں جہاں
 بدقسمتی سے اور بھلی کوئی سبب موجود ہیں وہاں یہ عیب بھی
 عموماً پایا جاتا ہے کہ ہمارے سفر کرنا نہیں آتا۔ حالت سفر میں
 باوجود دونوں آنکھیں رکھنے کے اندھے اور باوجود صحیح دماغ
 کے بھٹکے بن جاتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ سفر ہماری معلومات
 میں اضافہ کیسے اور اسی طرح ہماری روح کو فوجت بخشنے
 ہمارے لئے دوزخ کا ایک نمونہ بن جاتا ہے اور ہماری گوشش
 یہ ہوتی ہے کہ جس طرح جلد ممکن ہو مکان میں حفاظت کے
 ساتھ بند ہو جائیں۔ علاوہ انہیں ہندوستان کی یہ بڑائی مثل
 کہ گھر کی آدھی باہر کی پوری سے اچھی ہے ہندوستانیوں کی
 رائے کا اظہار جو وہ سفر کی فہمت رکھتے ہیں صاف الفاظ
 میں کہہ رہی ہے۔ کہ سفر اور سفر میں بہت کم فرق جانتے
 تھے۔ برخلاف اس کے اہل فرنگستان و اہل امریکہ کو ملاحظہ
 فرمائے اور ان کے حالات کو پڑھئے تو آپ کو معلوم ہوگا
 کہ سفر ان کی زندگی کا جزو اعظم ہے۔ وہ سفر میں حیات
 ابدی کی جھلک دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج یورپ اور

امریکی علم کے معدن تہذیب کے فنون اور اخلاق کے مسکن بنے ہوئے ہیں۔ ہماری کوئی بات خواہ استدلال ہی پر کیوں نہ مبنی ہو اُس وقت تک شرف قبولیت نہیں حاصل کرتی جب تک یورپ یا امریکہ اپنی معیار میں دکان کر کے اُس کو پوری نہ اتار دے یہیں ثقافت رہ از گجاست تا بہ کجا۔

غیر خدا خدا کر کے بعض ہندوستانیوں میں سفر کا شوق بھی پیدا ہوا ہے تو وہ یورپ اور امریکہ میں جا کر مجاہدے اس کے کہ اُن کے اعلیٰ اوصاف اُن کی تنجس طبیعت۔ اُن کے علم و کمال سے بہرہ ور ہوں خوب پتھر سے اڑاتے ہیں۔ اور جبل واپس آتے ہیں تو زمین و آسمان کے قلابے ملایا کرتے ہیں۔ اور مطلب کی بات ندارد۔ لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند اصول سفر آپ کے گوش گزار کئے جائیں۔ اُن اصولوں کو بیان کرنے سے پیشتر یہ گزارش ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل امور کا اپنے کو پابند بنانا۔

۱۔ جس مقام کی سیر کرنا منظور ہے اُس کے محل حالات سے اگر ممکن ہو پہلے ہی آگاہی حاصل کر لو۔

۲۔ ایک روز نامہ اپنے ساتھ رکھو جس میں ہر ایک قابل ذکر چیز کا حال درج کر دو۔

۳۔ ضایت ضروری ہے کہ اخلاق پسندیدہ اور اوصاف حمیدہ سے اپنے کو آراستہ کر کے قدم باہر نکالو۔ چال چلن اور خصلتوں کو اسی قدر مضبوط اور راسخ بناؤ کہ غیر ملوک کی نا جائز

دلہریب ادائیں تمہارا اپنا جادو نہ چلا سکیں۔ ورنہ گمان غالب یہ ہے کہ پرویں بجائے رحمت الہی کے قہر و الجلال بجا آئے۔
اس قدر پابندی کے بند سفر یقینی نعمت غیر سترتبہ نہا۔ ست
ہوگا بشرطیکہ مندرجہ ذیل اصول نظر انداز نہ کئے جائیں۔

۱۔ قوت ذیصلہ کو صحیح قاعدے پر پیدا کر کے کام میں لاؤ۔
ورنہ بہت ممکن ہے کہ تم سفر کے اصلی مطلب کو فوت کر دو۔ اور
غیر ضروری چیزوں کو با وقت سمجھو۔ میں اس موقع پر قابل
مشاہدہ چیزوں کی ایک طویل فہرست پیش کرتا ہوں جو کم و
بیش ہر مقام پر پائی جاتی ہیں۔ بادشاہوں کا دوبارہ خصوصاً
اس موقع پر جبکہ سفیروں کو باریابی کا موقع حاصل ہو۔

جدا لیتیں جبکہ ان میں مقدمات پیش ہوں۔ عبادتگاہیں
خانقاہیں۔ مندرم یا دگاہیں۔ بندرگاہیں۔ برباد شدہ کھنڈرات
کتب خانے۔ مکاتب۔ مختلف کارخانجات۔ محلات۔ باغات۔ ترشہ
وسلحہ خانجات۔ لین دین کے بازار۔ شدہ سواری کے کتب۔
اور دوسری گسترش۔ فوج کی قواعد۔ اور وہ چیزیں جو اس
شہر کی خصوصیات سے ہوں۔

۲۔ اس مقام کی جہاں کا قصہ ہے زبان سے کم و بیش
واقفیت پیدا کرو۔ تاکہ اس مقام کو اس کی اصلی شکل میں
سمجھو۔ اور وہاں کے تمدنی۔ معاشرتی۔ اخلاقی اور مذہبی پہلوؤں
پر روشنی ڈال سکو۔ اور اپنے علم میں اضافہ کر سکو۔ جو نہ
ہر ملک کی زبان سیکھنا تقریباً نا ممکن ہے۔ اس لئے انگریزی

تربان کے پکھنے پر اکتفا کرو۔ کیونکہ دوسے زمین کے گل علی خزان
 اُس میں محفظہ ہیں۔ اور کرہ ارض کی دوسری زبان ہونے کا
 اُس کو شرف حاصل ہے۔

۳۔ قابل مشاہدہ چیزوں کے انتخاب میں۔ اور اُن کو استقلال
 سے معائنہ کرنے میں ہوشیاری سے کام لو۔ اور صحت اپنے ہی مذاق
 کے مطیع نہ بن جاؤ۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک حجام سے جس نے
 اُس سے پیشتر دربار شاہی میں دخل نہیں پایا تھا۔ دریافت کیا گیا
 کہ اُس نے وہاں کیا دیکھا۔ جو اب دیا۔ مگر بادشاہ کے بال عمدہ
 طریقے سے تراشے ہوئے تھے۔ بھارسے حجام ہی پر کیا منحصر ہے۔
 سو اگر بندرگاہوں اور لین دین کے بازاروں کو خاص طور سے
 مشاہدہ کرتے ہیں۔ سپاہی قلعوں سلاطین خانوں اور میگنہیوں کو
 طلبہ کتب خانوں اور مباحثوں کو۔ مدیر عدالتوں کو۔ غرض کہ ہر ایک
 شخص اپنے پیشہ اور مذاق کا گردیدہ ہے۔ اور دوسری تاریخیں
 سے نا آشنا نظر آتا ہے۔ اسی طرح اس میں ایک خاص کمی باقی
 رہ جاتی ہے جس کا دور کرنا رفتہ رفتہ اُس کی قدرت سے باہر ہو جاتا ہے۔
 ۴۔ غیر مالک میں سفیروں اور سکتریز سے ملاقات کرو۔ تاکہ
 حکمو اور مالک کے حالات بھی معلوم ہو جائیں۔ اُن بزرگوں کی
 زیارت بھی ضرور کرو۔ جو لازوال شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ تاکہ
 تم کو معلوم ہو جائے کہ زندگی اور شہرت میں کس طرح کا رابطہ
 پیدا ہوتا ہے۔ اور جب تم سفر سے واپس آؤ تو اُس ملک سے
 بالکل تعلق قطع نہ کر لو۔ بلکہ وہاں کے واقفکاروں سے خط و

کتابت کو جاری رکھو۔ تاکہ وہاں کی تہذیبیاں اور حالات تم کو معلوم ہوتے رہیں۔

۵۔ یہ موقع دو کہ دوسرے شخص تم سے سفر کے متعلق سوالات کریں تم اپنے مشاہدے کو خود بخود بیان نہ کرو۔ اپنے خیالات جذبات اور مشاہدات پر پورا پورا تہنہ رکھو۔ اور موقع اور محل پر انکا اظہار اپنے دوستوں کی موجودگی میں کرو۔ قرین قیاس واقعات کے بیان کرنے میں اختصار سے کام لو۔ اور خاصکر عوام کے سمجھانے میں۔ ورنہ وہ بجائے عمدہ رائے قائم کرنے کے تمہارے تجربات کو قصہ دکھانی سے تعبیر کریں گے۔ فارسی کی ضرب المثل "جہان دیدہ بسیار گوید دروغ"، ایسے ہی ستیاہوں کی تقاضی اور فضول گوئی کا نتیجہ بنے جو اموال نہ کور پر عامل نہیں ہیں۔

اور سنئے ممالک میں جاکر اپنے طریق معاشرت اور طرز تمدن و آداب کو بالکل فراموش نہ کرو اور وہاں کی ہر ایک شے کے عائن و بنیاد۔ بلکہ خدا صفا و ذیغ ماکر پر کار بند ہو۔ اور بعض عمدہ باتوں کو سنکر اپنے ملک میں رواج دینے کی کوشش کرو۔

یہ ہیں وہ اصول جن کی پابندی نے یورپ کو یورپ اور امریکہ کو امریکہ بنا دیا اور ان کی خلاف ورزی نے ہندوستان کو ابھرتا تو کیا اہلی حالت پر قائم نہیں رکھا۔ اس فرق کو دیکھئے اور عبرت حاصل کیجئے مسرع بر رسواں بلغاں باشد و بس۔ (عابد حسین رضوی)

سوالات

۱۔ تحصیل علم کے کس طریقے ہیں ہر ایک کا مفصل مال بیان کرو؟

- ۳۔ شیخ سعدی۔ ابن بطوطہ اور مسرتیہ کی سوانح عمریوں میں دعویٰ کی دلیل ثبوت ہیں۔
 ۴۔ سفر کے لغوی اور اصطلاحی معانی بیان کرو۔
 ۵۔ ہندوستانی سفر کو برا کیوں جانتے تھے۔
 ۶۔ ہندوستانی یورپ اور امریکہ کے سفر سے کیا حقہ فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے۔
 ۷۔ سفر میں کن امور کا لحاظ ضروری ہے اور کیوں۔
 ۸۔ سفر کے وہ اصول بیان کرو جن سے وہ یقینی نعمت خیر منقلب ہو سکے۔
 ۹۔ کن اصول کی پابندی سے یورپ اور امریکہ امریکہ تک گیا ہے۔

لندن

لندن ایک بہت وسیع اور غدار شہر ہے۔ اس کی اصلی وسعت کا اندازہ ہندوستان کے کسی شہر سے نہیں کیا جاسکتا۔ دلی اور علی گڑھ لندن کے چند گلی کوچے ہیں۔
 شہر مختلف اضلاع میں منقسم ہے اور ہر ضلع گویا ایک علاحدہ شہر ہے۔ پس لندن کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک پہنچنے کے لئے بھی وسائل درکار ہیں جو ہندوستان میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں جانے کے لئے۔

تمام لندن کی سرزمین کے نیچے زمین دوز راستے ہیں جن پر ہر دو میل کے فاصلے سے ایک اسٹیشن بنا ہے۔ ان زیر زمین اسٹیشنوں میں مسافر لفٹ کے ذریعہ سے نیچے آتے ہیں۔ اور ریل پر سوار ہو کر جہاں ضرورت ہو جاسکتے ہیں۔

سطح زمین پر ٹرام برقی ایک مقام سے دوسرے مقام کو جاتی ہے۔ اس کی وضع بالکل بمبئی کی ٹرام سے مشابہ ہے۔ لا تعداد ہر وقت

ایک مقام سے دوسرے مقام کو جاتی رہتی ہیں۔ ایک قسم کی موٹر گاڑیاں بھی ہیں۔ یہ بھاپ سے چلتی ہیں۔ ان کی تعداد بھی کثیر ہے۔ علاوہ بریں ٹیکسی موٹر گاڑیاں ہیں۔ جہاں دیکھئے قطاروں کی قطاریں سڑک کے وسط میں استادہ ہیں۔ ان میں یہ انتظام ہے کہ سیڑ کے ذریعہ سے کرایہ خود بخود بخیر ہوتا رہتا ہے اور اسی حساب سے دینا پڑتا ہے۔ گھوڑا گاڑیاں یہاں کم ہیں مگر پھر بھی بکثرت ہیں۔ باوجود اس کے یہ ذرائع ضروریات کے لحاظ سے محض ناکافی ہیں۔

آب و ہوا میں یہ شہر کوئٹہ سے مشابہ ہے برف باری کے زمانے میں اگرچہ سردی زیادہ ہوتی ہے بالعموم ترشخ ہونے کے باعث ہمیشہ ابر مچھٹا آسمان رہتا ہے۔ اور آفتاب کی صورت ہفتوں نظر نہیں آتی۔ بار بار بیچ سے شام تک چراغ اور فانوس روشن رہتے ہیں۔ یہاں کا کھرا ایک بلائے عظیم ہے جس کا اندازہ مشکل ہے۔ جب کھرا چھا جاتا ہے تو پھر ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا۔ شعلہ پروہ فانوس سے باہر نہیں آسکتا۔ تمام آمد و رفت بند ہو جاتی ہے۔ اور لوگ قریب قریب مامن میں پناہ لیتے ہیں۔ مگر ایسا کھرا ایک خاخا چیز ہے۔ اور صرف ایک بار میرے تجربہ میں آیا۔

عظمت برطانیہ حقیقت میں یہاں اگر معلوم ہوتی ہے۔ زمانے کی ترقی کے ساتھ نظم حکومت کے قواعد تبدیل ہو گئے ہیں کہ ہندوستان یا ایشیا کے رہنے والوں کو اس کا ذہن نشین کرنا آسان نہ ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی یہ دریافت کرے کہ اس قریب و تمدن کا کچھ

شہریں بڑھ گیا ہے تو میں یہ کہوں گا۔ آزادی۔ اور اگر مجھے یہ دریافت کیا جائے کہ آزاد ملک کی کیا تعریف ہے تو میں یہ جواب دوں گا کہ ہمشت آنجا کہ آزارے نباشد کے را باکے کارے نباشد۔
 ارسطو کا قول ہے کہ عدم مساوات سے زیادہ کوئی شے قوتوں کو بڑھ مردہ اور مغلوب نہیں کرتی اور چونکہ ایشیا عورتوں تک مطلق اٹھا حکومتوں کی خلافت گاہ رہی ہے اہل ایشیا لفظ آزادی کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہیں۔

یہاں ہر امیر اور فقیہ مفلس اور توہمگر شہری ہونے کی حیثیت سے ہمسایہ ہیں۔ ہر شخص اپنا فرض ادا کرنے اور منصب بجالانے تک پابند ہے۔ اس سے زیادہ اس پر کوئی قید نہیں ملازم کو آقا سے حائل ہونے کی اور ماتحت کو افسر کی سفارش کی کوئی حاجت نہیں کوئی حاکم بالا دست اپنے حکم سے بیجا باز پرس نہیں کر سکتا اور کوئی آقا ملازم پر دست تعدی و تاز نہیں کر سکتا۔ قانون نے میزان عدل میں نوکر جو حقوق تفویض کر دیے ہیں۔ ان کی خلاف ورزی کی حالت میں عدالت چارہ وہ ہے اور کسیکو ایسی جسارت نہیں ہوتی کہ انصاف کو اپنے ہاتھ میں لے لے۔

جب سربراہ پولیس کا سپاہی اپنی ایک ہتھکڑی سے منع کر دیتا ہے تو عوام کیا خواص خواہ سر پر قیامت ہی کیوں نہ آئے آگے بڑھنے کی جرات نہیں کر سکتے۔ اور وہ اس کے ملازم حکومت خود اس قدر پابند قانون اور نگاہ فراتس ہے کہ ضعیف عورتوں سے اچانچ اور سموزور لوگوں اور معصوم بچوں کو خود ایک جانب سے

شرک کے دوسری جانب تک بحفاظت پہنچا دیتا ہے۔ اور راستہ بھولے ہوئے کو خضرِ راد بنکر منزل کا پتہ اور نشان دیتا ہے اور ہر وقت ہر معاملہ میں مدد کو تیار ہے۔ ہر شخص کی حکومت اُس کے دفتر تک محدود ہے اس کے بعد کوئی کسی کا حاکم نہیں۔ جہاں یہ لوگ قانوناً اسقدر آزاد ہیں وہیں تمدن کی زنجیروں سے اسقدر بستہ ہیں کہ تعجب معلوم ہوتا ہے۔ باہر حکومت جہاں اسقدر کم ہے۔ وہیں باہر علائن اسقدر زیادہ ہے کہ شاید اس سے زیادہ سرگرم قوم اور نہ ہو۔

اخلاق میں یہ لوگ نمونہ ہیں۔ ملازموں کی مستعدی اور خرابی برداری بیان سے باہر ہے۔ اپنا فرض منصبی بجا لانے میں کبھی دین نہیں کہتے۔ دوکانوں اور قہود خانوں کے ملازمین مدد اور عورتیں اس خوبی اور خوشگلامی سے اپنا کام کرتے ہیں کہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی سلیقہ شعاری اور مستعدی کو تجارت کے فروغ میں بڑا دخل ہے۔ جس شخص سے راستہ دریافت کیجئے بھو اور بڑا اپنا کام حرج کرنے اور ہمراہ جانے کے لئے تیار ہے۔ اگر کوئی شے گر جائے تو ہر شخص کوشش سے تلاش کے بعد آپ کو پہنچا دیگا۔ قومی اعتبار اس درجہ ہے کہ کت سی چیزوں میں نہ رکتا ہے۔ رسید مگر کسی قسم کے دعوے کا احتمال نہیں۔ تمام لندن کیا مکاناں اور کیا دوکانیں ایک شیشہ خانہ ہے۔ دوکانیں تمام کھلو ہوئی ہیں صرف شیشے جڑے ہیں۔ مکان سامنے سے صحن شیشے کی ٹکڑیوں سے بند ہیں جن کے سامنے کوئی لوہے کی سلاخیں یا محافظت نہیں۔

اتوار کے روز کوئی اپنے گھر سے دوکان نہیں جاتا۔ تمام کاروبار بند رہتا ہے۔ مگر کیا محال کہ کوئی شخص جرات کر کے ان کمزور غریبوں کے پیچھے سے ایک پانی کی چیز اٹھائے۔ بوہری بازار میں ایک شیٹے کے پیچھے بعض وقت اتنا مال ہوتا ہے کہ اگر ہندوستان کی کسی ریاست کی فروخت سے دوپہر جمع کیا جائے تو اس کا نصف ہو۔

یہاں کے لوگوں میں علم اور دولت دونوں مجتمع ہیں۔ دولت یہاں بے اندازہ ہے۔ اس کا خیال بھی ہماری حد امکان سے باہر ہے۔ یہاں ایک گھڑا کر کے واسے آدمی کا صرف ذاتی خرچ بکشتہ دہل پڑتا ہے۔ اور جس خاندان میں چار آدمی مع بچوں کے ہوں اور تیس پونڈ آمدنی ہو وہ خاندان غریب ہے۔ یہاں کے غربا ہمارے سفید پوش شرفاء سے بہتر حالت میں ہیں۔ حقیقہ الشان عمارت کی چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔ اور ایک گھوڑے کی عمارت کی قیمت ہماری ایک بستی سے زائد ہے۔ ہر قوم و نسل ایک ہمارستان ہے۔ سرکاری اذہ و سبب اور کشادہ ہیں اور دونوں جانب پیادہ چلنے کے راستے ہیں۔

اس لاشعہ دولت کے اجتماع کا باعث تجارت ہے۔ یہاں تاجر سے بڑھ کر کوئی شخص صاحبِ جاہ نہیں۔ ہر سال تاجروں میں سے ایک شخص شہر لندن کا انفر اعلیٰ مقرر کیا جاتا ہے۔ دوکانوں کا طول عرض یہاں سے باہر ہے بڑی۔ دوکان کے محض سیر کرنے کے لئے ایک ہفتہ درکار ہے۔ کوئی چیز ایسی نہیں جو یہاں نہیں ملے۔ جو نام کیے مذاہبے خاص لکھے ہوئے

غرض لندن ایک عجیب و غریب مقام ہے جہاں بے انتہا دولت جمع ہے۔ جو ملکہ نون کا مہمان ہے جو سب سے بڑی مملکت کا پایہ تخت ہے۔ جہاں ان عجائبات دنیا کا دیکھنا تعجب اور شگ کا باعث ہے وہیں انسان سوسائٹی کی اندرونی حالت کو دیکھنا مست کرتا ہے۔

اس ترقی سے اگر اپنے منزل کا مقابلہ کیا جائے تو مہینات کا قول یاد آتا ہے جہاں ایک پیر وانا کے یہ کہنے پر کہ جس قوم میں مستحکم علم و دولت میں سے کوئی شے نہ ہو اس پر بھی کا گزرا بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا ہے ۵

مجھے ڈر ہے اسے سیرے بمقام یاد مہانا کہ وہ تنگ عالم تھیں ہو
(مولوی عبدالرحمن بخاری بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔)

سوالات

- ۱۔ لندن کیسے شہر ہے اس کی وسعت اور اس کے حصص میں آمدورفت کے وسائل تیار
- ۲۔ لندن کی آب و ہوا کی نسبت کیا جانتے ہو؟
- ۳۔ لندن میں گھرے کی کیا کیفیت ہوا کرتی ہے۔
- ۴۔ لندن میں لوگوں کی آزادی کے متعلق تم کو کیا معلوم ہے اور اسطرح کا قتل و دم مسادات کی نسبت کیا ہے؟
- ۵۔ لندن میں حاکم۔ محکوم اور اشرافیت پر برتاؤ کیسے ہوتا ہے۔؟
- ۶۔ لندن میں پولیس اس کے سپاہی کن کن خدمات کو بجا لاتے ہیں اور وہ رعایا کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہیں۔؟
- ۷۔ اہل لندن کے اخلاق کی نسبت تم کیا جانتے ہو۔؟
- ۸۔ لندن میں قومی اعتبار کی کیا کیفیت ہے۔؟
- ۹۔ اہل لندن کے مذہب و دولت کا حال بیان کرو۔؟

- ۱۰۔ لندن میں دولت کی زیادتی کا کیا سبب ہے۔؟
 ۱۱۔ لندن - جملہ فنون کا مخزن کیوں ہے۔؟
 ۱۲۔ لندن کی ترقی اور اپنے شہر کے تنزل کا مقابلہ کرو۔؟

ترقی کا اعلیٰ ذریعہ تجارت ہے

سب سے زیادہ دود اندیش اور ہوشیار قوم وہ ہے جو اپنی قوت علمیہ اور کمال عقلیت سے ہر چیز میں ایک قسم کی ترقی دینے کا مادہ رکھتی ہو۔ اور جو افعال اُس سے سرزد ہوں وہ اُس مادے کے مناسب ہوں اور اوسط درجے کی قوم وہ ہے جو خود کسی ایجنہ یا ترقی کا مادہ تو نہ رکھتی ہو۔ مگر جو سامان اُس کو پہلے لوگوں کی عقل کی بدولت مہیا ملا ہے یا جو قدرتی طور پر اُس کو میسر آسکتا ہے۔ اُس کو اپنی حالت پر محفوظ رکھ سکے اور جو فائدے اُس سے آدروں نے حاصل کئے ہیں۔ وہ فائدے یہ بھی حاصل کر سکے اور جو قوم نہ کسی چیز میں ترقی دے سکے اور نہ اُس کو اپنی حالت میں بہ محفوظ رکھ سکے۔ بلکہ اُس کو اور تنزل کے مرتبے پر پہنچا دے۔ اور اپنی سستی اور غفلت کے سبب سے اُس کی ہستی خراب کر دے۔ وہ سب سے گنی گزری اور نا عاقبت اندیش قوم ہے اور یقیناً وہ اس قلیل ہے کہ اپنی تمام ضروریات زندگی میں آدروں کی محتاج اور سب کی نظر میں ذلیل رہے۔

جب ہم یہ بات بیان کر چکے۔ تو اب ہم کو دیکھنا چاہئے کہ یہ ہمارے قوم جو ہندوستانی کے نام سے مشہور ہے۔ کس قسم کے لوگوں میں شمار ہونے کے قابل ہے؟ ہماری رائے میں وہ سب سے اخیر

قسم کے لوگوں میں شمار ہونے کے لائق ہے۔ جس نے بجائے اس کے کہ وہ اپنی جملہ ضروریات میں ترقی کرتی ہر چیز کو بگاڑ رکھا ہے اور اپنے تمام کاروبار اور جملہ اشیائے ضروریہ کی فراہمی کو اور قوموں کے حوالے کر دیا ہے۔

پس اس کا آخری نتیجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ آخر کار تمام ہندوستان مفاس ہو جائے گا۔ اور اس کی آمدنی کے سرچشے غیر قوموں کے ہاتھ آ جائیں گے۔

دیکھو! معاملات تعلیم و تربیت میں جو اصل الاصول ترقی میں ہندوستانیوں نے بالکل اپنے حکام وقت پر بھروسہ کر لیا ہے اور اس بھروسے کو یہاں تک ترقی دی ہے کہ اگر آج حکام وقت اپنے سبب رشتہ تعلیم کو توڑ دیں یا اس سے توجہ اٹھالیں۔ تو ہر کو امید نہیں کہ ہندوستان کا ایک ضلع بھی وہاں کے باشندوں کی تعلیم کا کچھ ٹکڑا کر سکے۔ باب تجارت میں ہندوستانیوں کو اس زیادہ کچھ نہیں آتا کہ وہ اپنے ملک کی پیداوار کو بھی اوروں کے ہاتھ نہایت ارزاں قیمت پر فروخت کرتے رہتے ہیں اور آخر کار اس پیداوار کے نتیجے کو جو اور قومیں اپنی معنائی سے پیدا کرتی ہیں نہایت گراں قیمت پر فروخت کرتے رہتے ہیں۔ عام ملکی ضروریات میں ہندوستان کی یہ حالت ہے کہ اگر وہ انگلستان کے ماتحت نہوتا اور انگلستان سانسی یا فٹہ ملک اس پر حکمراں نہوتا تو شاید وہ ایسی چیزوں سے محروم رہتا جو اس وقت اس کو حاصل ہیں اور جن کے سبب سے اس میں کمزوری شایستگی معلوم ہوتی ہے۔

پس جب اس ملک کے باشندوں کی یہ حالت ہو تو کیونکر اسکو اپنی ضروریات میں کامل خیال کر سکتے ہیں۔ اور کب اس بات کا یقین ہو سکتا ہے کہ جس ملک کی دولت اور ملک کو چلی جاتی ہے وہ ہمیشہ مالدار رہیگا۔

آمدنی کے ذریعوں میں ظاہر ڈو ذریعے ایسے معلوم ہوتے ہیں جو تمام ذرائع کو حاوی ہیں۔ ایک زراعت اور دوسرا تجارت۔ مگر ان دونوں ذریعوں میں زراعت تو ایک ایسی چیز ہے کہ اس میں انسان ایک خاص قسم کی ترقی کر سکتا ہے۔ اور وہ بھی ایک حد تک۔ مگر تجارت ایک ایسا نام اور قابل ترقی ذریعہ ہے کہ اس کے سبب سے انسان کو اصناف و انواع کی ترقی حاصل کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔ اور اس کے واسطے کوئی ایسی حد نہیں ہو سکتی جس کے آگے ترقی ناممکن ہو بلکہ جہاں تک انسان کی عقل کو رسائی ممکن ہے وہاں تک اس کی بھی ترقی ممکن ہے اور وہی ایک ایسی چیز ہے جس میں انسان اپنے ہر طرح کے کمالات اور خوبیاں ظاہر کر سکتا ہے۔ اور وہی تمام صنایعوں دستکاریوں اور ہنر مندوں کی جڑ ہے۔ مگر نہایت افسوس ہے کہ ہنوز ہمارے ملک میں لوگوں کی طبیعتیں اس طرح راغب نہیں ہوئیں۔ بلکہ انھوں نے اپنے حاکم قوم یورپین کی بہمت پر اس قدر اعتماد کر رکھا ہے کہ سب کام اپنی ہمتی کے آئینے میں دیکھ رہے ہیں۔ حالانکہ ہمارے بھائی ہندوستانیوں کا یہ ایک ایسا غلط خیال ہے۔ جو یقیناً ملکی ترقی

اور قومی اعزاز کو خراب کرنے والا ہے۔ فرض کرو۔ کہ یہی تاجر قوم ہمارے ملک کے ساتھ ایک تاجرانہ تعلق رکھتی رہتی ہوگی اور جو تعلق اس کو ہمارے ساتھ حاکمانہ ہے۔ وہ نہوتا۔ اور جو غیر خواہی اس کے دل میں صرف اس وجہ سے ہے کہ ہندوستان اس کا ملک ہے اور ہندوستان کے باشندے اس کی رعایا ہیں۔ وہ نہوتی۔ تو ہندوستان کی یہ حالت ہندوستان کو کیسی مضرت پہنچاتی۔ اور تو رونے کہ ہندوستان میں اس وقت صرف گھنٹ کی توجہ کی بدولت ہے وہ بالکل نیست و نابود ہوتا۔

ہر ملک کو ایک بوستان پر خار کے مانند فرض کیجئے۔ اور اس کے باشندوں کو خوشنما پودوں کے مثال تصور کریجئے۔ پس اگر کسی باغ میں خوشنما پودوں کی جگہ سوکھے درخت ہوں یا اگر جیسے ہوں تو ان میں کسی قسم کا پھل یا پھول نہ ہو۔ تو کیا ایسا باغ کچھ مفید ہوگا یا اس کی کچھ قدر و منزلت ہوگی؟ اسی طرح اگر کسی ملک کے باشندے علم و ہنر یا صناعی اور دستکاری سے آراستہ نہ ہوں۔ بلکہ درخت کے پتے کے مثل ایسے کمالات سے عاری ہوں۔ تو کیا اس ملک کی کچھ قدر و منزلت ہوگی یا اس سے کسی قسم کے نفع کی امید ہو سکیگی ہرگز نہ ہوتی گی۔

پس ہمارے ہموطنوں کو چاہئے۔ کہ وہ اپنے آپ کو ہر طرح سے آراستہ کریں اور دنیوی کمالات سے محروم نہ رہیں۔ جن کی مثال ایک بے پتہ درخت کے ساتھ دی جائے۔ اور کمالات دنیوی کے واسطے یقیناً سب سے بڑا ذریعہ تجارت ہے۔ جو انسان کے دل

کو ہر قسم کے کسب و کمال کی جانب راغب اور ملکی رونق کو جو پیدا کر دیتا ہے۔ سیر و سیاحت کی عادت اور آباد ملکوں کی نیر اور عجائبات روزگار کے ملاحظے کی لذت بلاشبہ انسان کو تجارت ہی کی بدولت پہنچتی ہے۔ اور انسان کے دل میں عالی حوصلگی کا جوش جس پر تمام ترقیوں کا مدار ہے۔ بلاشبہ اس تجارت سے پیدا ہوا ہے۔ اور سب سے آخری فائدہ جو اس بے نظیر پیشے کی بدولت انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ وہ تجربہ کاری ہے جس کے بغیر انسان اپنے کسی کام کو استحکام اور مضبوطی کے ساتھ نہیں کر سکتا پس ہم یقین کرتے ہیں۔ کہ جب تک ہندوستان کے باشندے اس طرف توجہ نہ کریں گے۔ جملہ کمالات میں ناکامل رہیں گے۔

سوالات

- ۱۔ سب سے زیادہ دور اندیش۔ اوسط درجے کی۔ اور سب سے گہری قوموں کی تعریف کرو۔؟
- ۲۔ ہندوستانیوں کا شمار کس قوم میں ہو سکتا ہے۔؟
- ۳۔ ہندوستانیوں کی موجودہ حالت دیکھ کر ان کے آئندہ کی نسبت کیا خیال کیا جاسکتا ہے۔؟
- ۴۔ آمدنی کے خاص ذرائع کیا ہیں۔؟
- ۵۔ اگر انگریزوں کا تعلق ہمارے ساتھ حاکماد نہیں بلکہ تاجرانہ ہوتا تو اسکا نتیجہ کیا ہوتا۔؟
- ۶۔ جس ملک کے باشندے علم و ہنر سے خالی ہوں ان کے واسطے مصیبت نے کوئی عجیب تمثیل بیان کی ہے۔؟
- ۷۔ ہمارے ہموطنوں کو کیا کرنا چاہیے۔؟

۔۔۔ تجارت کا اثر اخلاق پر

جس طرح بڑے بڑے کامیاب تاجر نوکری کو نہایت حقارت

کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اُس کو اونٹے درجے کی غلامی اور آزادی کی برباد کرنے والی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے علم و فضل یا مناصب و خدمات کی وجہ سے امتیاز حاصل کیا ہے بیوپار اور دوکانداری کو قوائے ذہنی اور عقل و اخلاق کے حق میں ہٹاتے مضر بتاتے ہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ تجارت میں ہمیشہ وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں اور ہوتے ہیں جن کے اخلاق درست اور عقل سلیم ہوتی ہے۔ ایک لائق مصنف لکھتا ہے کہ تجارت کے برابر کوئی چیز انسان کے اخلاق کی کسوٹی نہیں ہے۔ ایک عالم جو محض کتابوں کے مطالعے اور فلسفیانہ استدلال و احتجاج میں رات دن مصروف رہتا ہے وہ خود نہیں جانتا کہ میں کیا چیز ہوں اگر وہ اپنی حقیقت سے آگاہ ہونا اور اپنی عقل اور اخلاق کی آزمائش کرنا چاہے۔ تو اُس کو چاہئے کہ بازار میں قدم رنجہ کرے اُس کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ وہ دانشمند اور نیک آدمی ہے یا احمق اور شریر النفس۔ اُس کی کامیابی اور اور ناکامی خود اس کو اپنی حقیقت سے خبردار کر دیگی۔ پس جو قوم تجارت سے کچھ تعلق نہیں رکھتی اُس کے کسی فرد کی نسبت قطعی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ دانشمند اور نیک ہناد ہے یا احمق اور بد ہناد ہے۔

اگرچہ تاجر ہمیشہ مذہب یا کائنات کی ہدایت سے اپنے اخلاق کی اصلاح نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی کامیابی اس میں سمجھتا ہے کہ اُس کی دیانت داری خوش معاملگی اور راستبازی پر لوگوں کو

اعتماد ہو۔ لیکن جیسا کہ نصابِ انسانی کا خالصہ ہے رفتہ رفتہ یہ
خصائیس جو اُس نے بضرورت اختیار کی تھیں اُس کی طبیعت
ثانی بن جاتی ہے۔

یہ کہنا کہ تجارت کو اسے عقلیہ کے حق میں مُضر ہے واقعہ کے
بالکل برخلاف ہے۔ جس قدر تاجر کو اپنی عقل و تدبیر سے کام
لینے کی ضرورت ہوتی ہے ایسی کسی اور پیشے والے کو نہیں ہوتی۔
نوکری پیشہ کو اپنی نوکری پر قائم رہنے یا ترقی حاصل کرنے کے لئے
صرف اپنے معمولی فرائض ادا کرنے کی ضرورت ہے اور کسان کی
کامیابی فقط اُس کی نعمت اور نجات اور اتفاق پر موقوف ہے
مگر تاجر کو باوجود اُن تمام فرائض کے جو ایک سچے تاجر کو ادا
کرنے ضرور ہیں۔ ہر وقت عقل سے مشورہ لینے اور ایک شیطانی باز
کی طرح بہت نئی چال چلنے کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہر وقت
زمانے کے تیور دیکھتا اور پہلک کے دل تیار رہتا ہے اکثر اوقات اُسکو
فائدہ کثیر کے لالچ میں، راستبازی کے خلاف عملدر آمد کرنے کی ترغیب
ہوتی ہے۔ مگر اُسی کے ساتھ اس بات کا خون بھی دانستہ ہوتا
ہے کہ اگر یہ راز کھل گیا تو اعتبار نہ رہے گا۔ غرض کہ اسی قسم کی
بیشمار حالتیں جن میں انسان متردد ہوتا ہے کہ کوئی جانب اختیار
کیجائے تاجر کو قدم قدم پر پیش آتی ہیں اور اُس کو عقل و
تدبیر سے کام لینے اور کامل غور کرنے پر مجبور کرتی ہیں اور
اسی طرح تاجر کی عقل معاش روز بروز جلا پاتی جاتی ہے۔ مگر
نوکری پیشہ یا کاشتکار کو ایسے مرتلے بہت کم پیش آتے ہیں۔

وہ معمولی قواعد کے شائع عام پر آنکھیں بند کئے چلے جاتے ہیں۔ نوکری پیشہ اگر اپنے فرائض دیانت اور محنت کے ساتھ انجام دیتا ہے تو اس کو اس بات کا مطلق اندیشہ نہیں کہ میری وجہ معین میں کچھ کمی واقع ہو جائے گی۔ کاشتکار کی کامیابی زیادہ تر آسمانی مدد پر منحصر ہے جس میں انسانی عقل و تدبیر کو کچھ دخل نہیں۔ اس لئے پہلا قدم ضرورت کے سبب اور دوسرا عدم قدرت کے سبب عقل اور تدبیر سے بہت کم کام لیتا ہے مگر تاجر خوب جانتا ہے کہ ذرا چال چوکا اور مصیبت میں گرفتار ہوا۔ اس لئے اس کو پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو قوم تجارت سے کچھ غفلت نہیں رکھتی اور نوکری کے سوا کسی اور ذریعہ سے معاش پیدا نہیں کرتی چند نسلوں کے بعد ان میں تدبیر معاش کا مادہ باقی نہیں رہتا کیونکہ جس طرح کسی عضو کے معطل و بیکار رکھنے سے اس کی قوت زائل ہو جاتی ہے اور اس میں شکست باقی نہیں رہتی اسی طرح قواسم ذہنیہ سے جب کچھ کام لیا نہیں جاتا وہ بالکل ازکار رفتہ ہو جاتے ہیں اگرچہ یہ ممکن ہے کہ اس قوم میں مستثنیٰ مثالیں ایسے اشخاص کی پائی جائیں جو اعلیٰ درجہ کی عقل معاش رکھتے ہوں لیکن ایسے مستثنیات سے قاعدہ کلیہ ٹوٹ نہیں سکتا۔

جس طرح تجارت سے قومی عقل معاش ترقی پاتی ہے۔ اسی طرح بہت عمدہ اخلاق اور عمدہ اختصاتیات صرف تجارت ہی کے ذریعہ سے تمام قوم میں شائع ہوتی ہیں۔ بجز ہی اور

کفایت شعاری جس کے بغیر کسی خاندان بلکہ کسی قوم کا وقار دنیا میں قائم نہیں رہ سکتا صرف تجارت ہی کی بدولت تمام قوم میں سربایت کرتی ہے۔ اگرچہ ممکن ہے کہ ہر ایک قوم میں خواہ وہ قوم تجارت پر پیشہ ہو اور خواہ نوکری پر پیشہ کچھ افراد جزری اور کفایت شعاری کے ساتھ موصوف پائے جاتے ہوں۔ لیکن ہمارے نزدیک کوئی قوم عام طور پر جزری اور کفایت شعار نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ عام طور پر اس میں تجارت شائع نہ ہو۔

جس طرح تجارت سے جزری اور کفایت شعاری کی بنیاد تمام قوم میں پڑتی ہے اسی طرح تحمل۔ بردباری۔ نرمی اور مراقتت بغیر تجارت کے کسی قوم کی قومی خصلت نہیں بنتی جس طرح سلطنت اور حکومت کا میلان ظلم اور تشدد اور غور و خجوت کی جانب ہوتا ہے اسی طرح تجارت کا اقتضا یہ ہے کہ تند مزاجوں کو دھیمہ۔ مغروروں کو خاکسار سخت کلا سوں کو شیریں بیان اور جباروں کو منکسر المزاج بناتی ہے۔ جو قومیں تجارت پر پیشہ ہوتی ہیں ایک مدت کے بعد ان کی نسلیں فطرتاً ان خصلتوں پر مجبول پیدا ہوتی ہیں کیونکہ اولاد کے جسمانی اور نفسانی قوتے اپنے آبا و اجداد کے جسمانی اور نفسانی قوتے کے تابع ہوتے ہیں جس طرح قوی اور تنومندان باپ کی اولاد تنومند ہوتی ہے اسی طرح متحمل اور بردبار ماں باپ کی اولاد مستثنیٰ صورتوں کے سوا ضرور ہے کہ متحمل اور بردبار ہو۔ اگرچہ آس بات کا انکار نہیں ہو سکتا کہ دنیا میں ابھی تک راستباز تاجروں کی تعداد بمقابلہ جو فروش گندم نماؤں کے بہت

کم ہے۔ لیکن اس سے تجارت کے پاکدامن پر کوئی دھبہ نہیں لگتا۔ جس طرح علم کا خاصہ ہے۔ کہ وہ براہ راست نیکی کی راہ سمجھاتا ہے لیکن باوجود اس کے بہت سے اہل علم اپنی بد اعمالیوں سے علم کو بدنام کرتے ہیں۔ اسی طرح تجارت براہ راست آنسٹی اور راستبازی کی تعلیم دیتی ہے۔ لیکن نالائق تاجر چند روزہ منفعت کے لئے بددیانتی اور فریب اختیار کر کے تجارت کی پائدار برکتوں سے محروم رہتے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ جب تک کسی ملک کی تجارت وہاں کے تعلیم یافتہ گروہ کے ہاتھ میں نہیں آتی بلکہ جاہلوں اور نالایقوں کے پنجاب میں پھنسی رہتی ہے تب تک تجارت کی کامیابی کا بحبید عام نفروں سے مخفی رہتا ہے اکثر نفع یا نقصان کو امورات تقدیری میں شمار کرتے ہیں جن میں انسان کی عقل و تدبیر کچھ کام نہیں دیکتی۔ حالانکہ وہ تدبیر سے ایک دم غافل نہیں رہتے۔

اصلی جرات اور دلیری بھی جیسی تجارت کی بدولت انسان میں پیدا ہوتی ہے ایسی کسی اور پیشے کے ذریعے سے نہیں ہوتی شاید وہ لوگ جو تجارت اور دلیری میں منافات سمجھتے ہیں اس بات کو سنکر متعجب ہوں مگر اُن کو یاد رکھنا چاہئے کہ دلیری یا بزدلی کسی خاص فرقہ کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتی۔ ممکن ہے کہ ایک سپاہی یا سپہ سالار نہایت بزدل ہو اور ایک بیوپاری بہت بڑا بہادر ہو جس طرح بہادروں کو میدان جنگ میں دلیری اور شجاعت کے کام کرنے پڑتے ہیں۔ اسی طرح ہر شخص کو اپنی موزانہ زندگی میں

اکثر موقعوں پر دلیری سے کام کرنے پڑتے ہیں۔
 الغرض تجارت کی کامیابی کے لئے جس کا مدار تاجر کے مقبول
 و معتد خاص و عام ہونے پر ہے۔ نہایت ضرور ہے کہ تاجر علاوہ عاقل
 اور تدبیر ہونے کے عمدہ اخلاق اور عمدہ خصالتوں سے آراستہ ہو اور
 اسی لئے تجارت کو انسان کا معلم اور اتالیق کہا جاوے تو کچھ بیجا نہیں
 لڑائی جو انسان کی نوزید آدمین اور ملکوں کی غارت کرنے والی
 دیوی ہے اور جو اب بھی ویسی ہی مہیب اور ہولناک ہے جیسی
 ونان کے مشہور شاعر ہومر کے زمانے میں تھی۔ اور کبھی اُس کی
 تیغی خوں آشام ہمیشہ کے لئے میان میں کیجائے گی تو تجارت ہی
 کی بدولت کی جائے گی تجارت نے دنیا میں شائستگی کو پھیلا دیا ہے
 اُسی نے تمام رُوس زمین پر انسان کی ضرورت اور آسائش کے
 سامان برابر تقسیم کئے ہیں۔ اُس نے علوم و فنون کی بیش قیمت
 اور مفید تحقیقاتوں اور ایجادوں کو رواج دیا ہے اور اُس نے
 موجودوں کی طبیعت میں نئی نئی ایجاد و اختراع کی تحریک پیدا کی
 ہے وہ علم اور دین کی اشاعت میں مدد دیتی ہے اور وہ اور ترقی
 ہمیشہ لازم و ملزوم رہی ہیں۔

انسان کی اندرون توڑنے کی ترقی۔ علم و فنون کی ترقی جنرل
 انفرمیشن کی ترقی۔ اخلاق کی ترقی۔ ضوابط و قوانین کی ترقی۔ آزادی
 کی ترقی غرضکہ ہر طرح کی ترقی ہی ترقی اُس سے پیدا ہوئی ہے
 اُس نے ہمیشہ بس چیز کو جس درجہ پر پایا ہے۔ اُس سے جدا
 ہوتے وقت اُس کو بلند تر سیڑھی پر چھوڑا ہے۔ وہ اول ایک

ملک سے دوسرے ملک میں شایستگی کے لئے بطور بلالیہ کے جاکر رہتے
 طیار کرتی ہے۔ اور پھر شایستگی کو اپنے ساتھ لیکر وہاں پہونچتی
 ہے۔ اُس نے وحشیوں کو انسان بنایا ہے اور اس نے عوام الناس
 اور امرا کو بادشاہی تک پہونچایا ہے۔ اُسی نے موروں کو اپنے
 عہد میں دنیا کا عقلمند بنایا تھا اور اُسی نے انگریزوں کو اکیلا
 بلاشریک غیر تمام ہندوستان کا وارث ٹھہرایا۔

سوالات

- ۱۔ تاجروں اور ملازموں میں ایک دوسرے کے کام پر اعتراض کرنے کے کیا اسباب ہیں؟
- ۲۔ اخلاق کی کسوٹی سے کیا مراد ہے؟
- ۳۔ جو قوم تجارت نہیں کرتی ہے اُس کے کسی فرد کی نسبت قطعی رائے قائم کرنا کیوں
 دشوار ہے؟
- ۴۔ تاجر کا اخلاق کیوں درست ہو جاتا ہے؟
- ۵۔ ثابت کرو کہ تجارت توہمے عقلمیہ کے حق میں مضر نہیں ہے؟
- ۶۔ نوکری پیشہ یا کاشتکار کے فرائض تاجر کی بہ نسبت کیوں سیدھے سادے
 خیال کئے جاتے ہیں؟
- ۷۔ ثابت کرو کہ اگر تو اسے ذہنی سے کچھ کام نہ لیا جائے تو وہ بیکار اور معطل ہو جائے گا؟
- ۸۔ ثابت کرو کہ کثرتِ شعاری تجارت کرنے سے انسان میں جلد پیدا ہو سکتی ہے؟
- ۹۔ اگر بعض تاجر بددیانتی کرتے ہوں تو تجارت کو برا کہنا کیوں نا درست ہے؟
- ۱۰۔ امی تجارت اور دیری تجارت سے کس طرح پیدا ہو سکتی ہے؟
- ۱۱۔ ہوم شاعر نے لڑائی کی نسبت کیا لکھا ہے؟
- ۱۲۔ تجارت سے کن کن باتوں میں ترقی ہوتی ہے؟

آنے والی گھڑی

اے آنے والی گھڑی! ہم بیان نہیں کر سکتے کہ تجھ میں کیسی کیسی

دیکھپیاں اور کیا کیا فرسے ہیں قیرے دامن میں ہم اپنی ہزار ہا آرزوں کو پالتے ہیں۔ اور اپنے لاکھوں ارمانوں کو تیری ہی آغوش میں تمپک تمپک کے سلا دیتے ہیں۔ تو ہر سبکیں و حرمان نصیب کا سہارا اور ہر شکستہ پا کے ہاتھ کا عصا ہے۔ تو ایک عجیب جادو بھری اور اور طلسمی دور بین ہے جس میں ہر شخص اپنے ذائق اور اپنے مطلب کی خبریں دیکھ لیتا ہے۔ حرمان نصیب اپنی معشوقہ ناز آفریں کا چہرہ زیبا۔ لا اولہ اپنے نمونے والے بچے کی جیتی جاگتی موت بیوہ مایوسی ہی کے دامن میں طرح طرح کی دیکھپیاں۔ یتیم اپنی حشرناک زندگی میں ہر قسم کی ترقیاں خانہ نشین دنیا کے دیکھپ اور خوش سواد شہر۔ اور وطن آوارہ بال بچوں اور یاران وطن کی صورتیں۔ غرض کون سہ جہے آنے والی گھڑی میں اپنی تمنا میں اور آرزو میں اہل حالت میں نہیں نظر آ جاتیں۔

جو گھڑی گذر گئی وہ ہاتھ سے جا چکی۔ اس کا ذکر ہی کیا ہے۔ اور ہم سے تصنیع اوقات کرنے والے اوبار نصیب اپنا عیب چھپا بلکہ اپنے سر سے الزام کی بلا ٹالنے کے لئے۔ یہی کہیں گے کہ "افسوس و غنا دیکھئے" موجودہ گھڑی کی ہمیں قدر نہیں۔ اس کی قدر تو کچھ دہی لوگ خوب جانتے ہیں جو فی الحال ترقی کر رہے ہیں۔ جن لوگوں کا سرمایہ ناز صرت گذشتہ نسل کی ترقیاں اور بزرگوں کے کار نامے ہوں انھیں موجودہ گھڑی اور اس وقت سے کیا سروکار جو گذر رہا ہے۔ اور ہمیں کس موجودہ نعمت اور کس ہم صحبت دوست کی قدر ہے جو اس کی ہوگی۔ لہذا ہماری ساری

اُمیدیں تو اُسی آنے والی گھڑی کے دم سے قائم ہیں۔ ہم اُس
 آنے والی گھڑی میں اچھی اچھی آندوں۔ مزے مزے کی تمناؤں
 خوشگوار لطفوں۔ اور دل خوش کن کامیابیوں کے منصوبے باندھتے
 ہیں۔ جب ناکامیاں ہمارے دل کو ستاتی ہیں اور مایوسیوں کا
 چاروں طرف ہجوم ہوتا ہے اُس وقت یہ آنے والی گھڑی دُور
 ہی سے ہمیں ایسی ایسی ترقیوں اور کامیابیوں کی دلفریب
 صورتیں دکھاتی ہیں کہ ہم مجبوراً حیرت ہو جاتے ہیں۔ اور جب ہمارے
 گوشِ دل میں اُس کی یہ الہام کی ایسی اطمینان بخش صدا آتی
 ہے کہ سب تیرے لئے ہیں تو پھر ہمیں نہ کوئی صدمہ یاد رہتا
 ہے اور نہ کوئی رنج و الم۔ ہماری اُس پُر مصیبت زندگی کو مٹا
 یہی چیز گوارا بلکہ خوشگوار بنائے ہوئے ہے کہ زندگی کے آنے والے
 میدان میں اور اُس کے اُن مرغزاروں میں جن میں ابھی ہلکا
 گذر نہیں ہوا ہے ہم عجب جوش و مسرت سے اُن غوشیوں
 اور دلچسپیوں کو دیکھا کرتے ہیں۔ جن میں اُمید دُور سے دکھا دکھا
 کے ہماری دلفریبی و دلربائی کیا کرتی ہے۔ اور اسی کی برکت
 ہے کہ سامنے کا ہر منظر جو دُھند بھٹکے کے دامن کے اندر سے مٹا
 مٹا نظر آتا ہے ہمیں اُن عام مناظر سے زیادہ دلچسپ معلوم ہوتا
 ہے جنہیں ہم طے کر چکے ہیں۔ اور اسی شان سے ہر وہ خیالی تصویر
 بھی زیادہ دلربا اور نظر فریب دکھائی دیتی ہے جسے داہمہ ہم سے
 دُور مٹا کے بعد مسافت کی تیرگی کے دامن پر بنا دلیا ہے۔
 واقعی وہ عجیب فرشتہ رحمت ہے جو ہماری مجبور حیرت آنکھوں کو

اُس سامنے کی آنے والی فضا میں لیجاتا اور اُن میں یہ قوت پیدا کر دیتا ہے کہ استقبال کے تیرہ گوں دامن کو چاک کر دیتا ہے تیرہ اُن دلربا صورتوں کو دیکھ لیں جو اور کسی جگہ نہیں نظر آئیں مگر اس سے بڑھ کے عجیب وہ فرشتہ غضب ہے جو موجودہ گھڑی پر متعین ہے۔ حقیقت میں یہ کتنے برسے اندر بس کی بات ہے کہ وہی آنے والی گھڑی جب پاس آ پہنچتی ہے اور موجودہ گھڑی نجاتی ہے تو نہ کہیں وہ دلچسپیاں ہوتی ہیں نہ وہ دلفریبیاں۔ نہ اُن آرزوؤں کا پتہ لگتا ہے جنہیں ہم نے اُس آنے والی گھڑی کی گود میں تھپک تھپک کے سلایا تھا اور نہ اُن ارادوں کا جو اُس کے دامن میں پل رہی تھیں۔

آہ کیا قیامت ہے کہ ہم دل میں جو جو منصوبے باندھتے ہیں اور جن جن ہوسوں کو تیرے دامن سے وابستہ سمجھتے ہیں جب تو ہمارے پاس آ پہنچتی ہے تو وہ سب ایک خواب و خیال کی طرح ہوجاتے ہیں ہم اپنے دل سے عہد و پیمان کرتے ہیں کہ آنے والی گھڑی میں یہ رہیں گے اور وہ کریں گے۔ اس اس طرح پسینہ بہا کے کوشش کریں گے۔ اور یوں جان توڑ محنت و مشقت کریں گے مگر ادھر تو آئی اور ہم اُس سارے عہد و پیمان کو بھول گئے۔ اور جس طرح تمام موجودہ گھڑیوں کو پڑے ہی پڑے کاہلی و غفلت سے گھوڑ دیا کرتے ہیں۔ بکھے بھی گھوڑیہ سچ بتا۔ تو وہ دلدار ناز آفریں تو نہیں جس کا وصل نصیب ہوتے ہی ہم اپنی ساری شکایتیں اور دل کے تمام

منصوبے بھولی جایا کرتے ہیں۔ تو وہ پرپوش تو نہیں جسکا ایک جلوہ
ہوش رہا ساری آرزوں اور ارمانوں کو بھلا دیا کرتا ہے نہیں
ایسا نہیں ہے۔ وصال یار میں تو مسرت و کامیابی کی محویت پڑنا
آرزوں کو بھلاتی ہے۔ اور توجہ پاس آکے پہنچتی ہے۔ تو
بجائے نوشیوں اور مسرتوں کے ہر طرح کی مصیبتوں اور ہر قسم
کی فکروں کو اپنے ساتھ لاتی ہے۔

افسوس۔ آنیوالی گھڑی میں واقعی اور حقیقی کامیابیوں کا
جلوہ دیکھنے کے علاوہ ہم نے کیسے کیسے خیالی کرشمے دیکھ پائے تھے
اُس آئندہ کی زمین پر ہم نے اپنے خیال کی طبع آزمائی سے کیسی
کینی عالی شان عمارتیں قائم کی تھیں۔ کیسے کیسے دلچسپ اور
رُوح افزا باغ لگائے تھے۔ جن میں تیرے دامن تک اپنا ہاتھ
پھونچنے کے بعد دیکھا تو وہ تمام عمارتیں منہدم تھیں اور درجن
شہزاد کی بہت کی طرح نظر سے غائب تھے۔ آہ کیا کسی اور کو بھی
یا ہمیں کسی اور حالت میں اتنا بڑا نقصان برداشت کرنا پڑا
تھا۔ مگر نہیں اے آنیوالی گھڑی جتنی تو اپنی آئندگی کی حالت
میں مہربان و شفیق تھی اتنی ہی موجودگی کی حالت میں تو
ظالم و ناخدا ترس ہے۔

ہم زمانے کی تیز رو گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ جو بڑی تیز
کے ساتھ دنیا کی بہار دکھاتی ہوتا ہے ہمیں عرصہ ہستی سے نکال
لیجاتی ہے۔ آنیوالی چیزوں کے دیکھنے کا شوق اتنا بڑھا ہوا ہے
کہ پیچھے پھر کے دیکھتے نہیں۔ موجودہ گھڑی پر تیز روی کے

سبب سے فطر نہیں جاتی۔ آئیواںی فضا میں طح طح کی زندگی
 بخش سبزہ زار اور عجیب قسم کے لہکتے ہوئے کھیت ہیں۔
 امیدیں یقین دلا رہی ہیں کہ ان مرغزاروں میں پہوئی کے ہر پتی
 زوح ترو تازہ کر لیں گے اور ان کھیتوں سے اپنے حوصلے کے
 تھلیان اور اپنی ہوس کے کھتے بھر لیں گے مگر قریب آتے ہی وہ
 مرغزار اور اہیت کچھ ایسا بہرہ پر بدل کے اپنی دلفریب صورت
 اس قدر بگاڑ کے اپنی صورتوں پر کچھ ایسا بد مزہ برقع ڈال
 کے اور اس عجات و تیزی سے بھگواتے ہیں کہ ہم دیکھتے بجاتے
 ہیں۔ پاس سے گزرتے ہیں اور ہمیں خبر نہیں ہوتی۔ بلکہ ہم تو
 یہ سمجھیں گے کہ ہماری برقیں سے یہ گھاڑی ہر ہماری قاطم
 آئندہ خوشیوں اور مسرتوں کو بچھلتی اور پیستی ہوتی شکل جاتی ہے
 کیا اچھا ہوتا اگر اسے آئیواںی کھڑی تو ہمیشہ آئیواںی ہی
 رہتی۔ کبھی نہ آچھکتی۔ مگر رواں کی گھاڑی کسی ایک ہی جگہ پر
 کھڑی رہ جاتی اور ہم موجودہ حالت سے قطع نظر کر کے جن میں
 شکریوں اور مصیبتوں کے سوا کچھ نہیں۔ آئیواںی آرزوں اور
 امیدوں کا خواب ہی دیکھا کرتے۔
 (شر کھنڈی)

سوال و جواب

۱۔ مصنف نے آئیواںی کھنڈی کو کون کون ناموں سے یاد کیا ہے ؟
 ۲۔ وقت کی تدر کون کون کر رہے ہیں ؟ اور ہلوگ آئے علیحدہ کیوں خیال
 کیے جاتے ہیں ؟

۳۔ ماپتی سے عالم میں ہلکوا کیا چیز خوش رکھتی ہے ؟
 ۴۔ ہلکوں کس کس طرح سے کتن باتوں کی کیا کیا امیدیں ہوتی ہیں اور انکا انجام

کیا ہوتا ہے؟

- ۵۔ خوشیوں اور مسرتوں کے بجائے سنجیدگیوں اور فکروں کو کون لے آتا ہے؟
- ۶۔ مصنف نے خیالی باغ اور عمارتوں سے کیا مراد لی ہے؟
- ۷۔ ہم آئندہ کی نسبت کیا خیال کرتے ہیں اور اس کی اسلیٹ کیا بنا کر رکھتے ہیں؟
- ۸۔ اگر آئندہ کا وقت کہیں نہ آتا تو کیا نتیجہ ہوتا؟

صبح

یہ دلفریب گھڑی علیٰ عاموم پسند کی جاتی ہے۔ اور واقعی عجیب
 ٹھکانا وقت ہوتا ہے جبکہ ہر ایک کی طبیعت میں ایک جوش
 پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر کوشش میں ایک تازگی ہوتی ہے۔ جذباتِ دل
 برانگیختہ ہو جاتے ہیں۔ اور ہر شخص اپنے دل سے اپنے کام میں
 مصروف ہوتا ہے۔ اس وقت شیخ و برہمن دونوں کی عبادت میں
 خلوص اور اثر پیدا ہوتا ہے۔ کیفیت جوتے والا ہر وہاں جتنا کام
 اس وقت کی دلو گھڑیوں میں کر لیتا ہے دن بھر میں نہیں کر سکتا
 شاعر جیسی خیال آفرینی اُسوقت کر سکتا ہے اور کسی وقت ممکن نہیں
 مسافر سے جیسی سرچہ الہیری اس نور کی گھڑی میں ظاہر ہوتی
 ہے اور وقت دشوار ہے۔

اس وقت کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالی جائے۔ تو عجیب
 عجیب متضاد کیفیتیں نظر آتی ہیں۔ یوں تو زاہد کی نماز۔ بڑھوں
 کی پوجا مسافروں کے راہ طلب میں قدم رکھنے۔ سب میں نیا
 فرق اور ایک خاص کیفیت ہے۔ اور جہاں دیکھو ایک نیا
 سماں نظر آئے گا۔ مگر اس گھڑی کی بعض حالتیں بہت ہی

مستاز اور دل پر اثر ڈالنے والی ہیں۔
 صبح کی پہلی چیشین دوہی ہیں۔ رات کا ختم ہونا۔ اوروں کا پرانہ
 ہونا پہلی چیشیت سے اس پر کسی گزشتہ کیفیت کا خاتمہ ہوتا ہے۔
 دوسری چیشیت سے ایک خاص زندگی کا آغاز۔ اور دونوں میں خوشی
 و غم اور راحت و الم کے دونوں پہلو موجود ہیں۔ صبح و شام کی
 نسبت کما جاتا ہے۔ کہ ان اوقات میں دو وقت ملتے ہیں۔ ہاں
 ملتے تو ضرور ہیں مگر اس کو ملنا نہ کتنا چاہیے۔ کیونکہ رخصت ہونے
 کے لئے ملتے ہیں۔ ایک وقت آتا ہے اور ایک جاتا ہے۔ مگر
 کبھی آنے والا ایسا محبوب ہوتا ہے کہ جانے والے
 کی مصیبت سے نجات پانے اور آنے والے کے ہل سے لطف
 اٹھانے کی خوشی ہوتی ہے۔ اور کبھی جانے والا ایسا عزیز ہوتا ہے
 کہ اس سے چھوڑنے اور فراق کی ظالم گھڑی سے سبابت پڑنے کا
 غم ہوتا ہے وہ بھی صبح ہے جبکہ شب گزشتہ کے طیش و طرب کا
 خاتمہ ہوتا ہے وہ بھی صبح ہے۔ جب رات بھر کے غم و الم کی
 بیکاری کا خاتمہ ہوتا ہے اور آفتاب اپنی امید بھری صورت
 دکھا کے دل میں آرزوں کا چراغ روشن کرتا ہے۔ مگر ان دونوں
 صبحوں سے زیادہ تر متاثرہ شرار ہوتے ہیں یا عشاق شیرا۔
 لیکن کاروباری دنیا کی صبح دوسری ہی صبح ہے۔ اُسے ان
 صبحوں سے کوئی سروکار نہیں۔ وہاں نہ شب فراق ہے نہ شب
 وصال۔ رنج و راحت دنیا میں توام ہیں۔ اور ان کو سب ہی
 سے سابقہ پڑتا ہے۔ مگر صبح نہ ان کے رنج کو بڑھاتی ہے نہ ان کے

غم کو بلکہ غور سے دیکھو تو اُن کی صبح ہمیشہ اسید و آرزو کی صبح ہوتی ہے۔ ہاں اس عالم میں بھی اُن کی آنکھ کھلتے ہی رنج و اہم اور درد و غم سے دوچار ہو جاتے ہوں۔ مگر اکثر بلکہ تقریباً سبھی کے لئے تازہ اسیدیں نیکے آتی ہے۔ اور اُن کے اسید اور آرزو سے بھرے ہوئے چہرے اُس وقت چمکنے لگتے ہیں۔ اور رات کی تیرگی دور ہونے کے بعد کون ہے جس کے چہرے پر صبح کا افسانہ امید کا سنہرا غازہ نہ مل دیتا ہو۔

اس وقت کا آرزو بھرا سین تو ذرا دیکھو کہ کس قدر دلچسپ ہے صبح کے تارے نے جگمگا کے اپنی نیم باز مستانہ آنکھوں کے اشاروں سے شیخ و برہمن دونوں کو جگا دیا ہے۔ عالم پر سے رات کا موت کا سناٹا دور ہوا ہے۔ اور مریخ سحر کے ساتھ سوژن نے اذان دی۔ برہمن نے سدا سے ناقوس بلند کی۔ اور کلیسا وائے نے گھنٹہ بجایا۔ ان سب کے ساتھ مرقان سحر بھی دلچسپ نقموں سے اپنی بیداری کا ثبوت دینے لگے۔ سب لوگ بہتر سے خوش و مخرم ہنستے کھلکھلاتے اُٹھے اور اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہونے کی تیاریاں کرنے لگے۔

سب سے پہلے کسان اپنے بیلوں کو گھول کے اودھل کندھ چڑھ کر رکھکے کھیتوں کی طرف چلا۔ کارخانوں میں صبح کی سیٹی بجی اور مزدوروں کا غول خوش خوش بڑی بڑی فیکٹریوں کی طرف روانہ ہوئے اور ہر شخص اپنے کام سے لگا۔ گویا عالم کی مشینیں جو کچھ رات گئے بگڑ گئی تھی اور ساری رات بند پڑی رہی تھی پھر چلتا

شروع ہوتی۔ صبح کی خوشخیزم نسیم لعلکائی مہولی کھیتوں کو لہری ہے۔ جسکا حسن اس دقت بہار پر ہے۔ اور جن کی بہار نظریں میں کچی جاتا ہے۔ سب سے زیادہ پزلطف نقارہ آن کسن بچوں اور زعفرانوں کا ہے جو گدوں سے محل نکل کر کھیلنے کودنے اسکولوں کی طرف چلے ہیں۔ یہ زمین کی سب سے زیادہ قیمتی پیداوار ہیں۔ اور انیس کی دم سے زمانے کی آئندہ امیدیں وابستہ ہیں۔ ہماری آرزوئیں ان کے تروتازہ اور بفتاش چہروں سے نمایاں ہیں۔

ان کے تمام چیزوں کو دیکھ کے کون ہے جس کی مڑہ اُمیدیں بھی زندہ منوجاتی ہوں۔ اور جس کے دل میں ذرا بھی اس کا خوف باقی رہتا ہو۔ اسی سے ثبوت ملتا ہے کہ دنیا فی نفسہ خوشیوں اور امیدوں سے بھری ہوتی ہے۔ اور ہر چیز ہم سے کامیابی اور مقصد کی کا وعدہ کرتی ہے۔ ان باتوں کو کارکنانِ قدرت ہر صبح کو نہایت وضاحت سے آشکارا کر دیا کرتے ہیں۔ لہذا صبح کامیابی و مقصد کی ہی سے بھری ہوئی ہے۔ رہا یہ جو بعض لوگ شاکل نظر آتے ہیں وہ اکھا ذرا ہی نقص ہے۔ صبح تو بڑی نہیں ہے۔ لیکن ہاں انسان کو اختیار ہے کہ اپنی صبح بڑی بنائے یا بھلی۔ (شرر گھنوی)

سوالات

- ۱۔ صبح کے وقت کون کون لوگ کیا کیا کام کرکتے ہیں؟
- ۲۔ صبح کی پہلی شیشیں کیا ہیں اور ان کے آثار کیا ہیں؟
- ۳۔ صبح کی خوشخیزم نسیم کی حالت بیان کریں؟
- ۴۔ عالم کی مشین جو رات بھر بند پڑی رہتی ہے صبح کو وہ کس طرح گھلتی ہے؟
- ۵۔ ثابت کریں کہ دنیا خوشیوں اور امیدوں سے بھری پڑی ہے۔

تدبیر اور امید

یہ عام اور غیر متبدل قاعدہ قدرت کے قانون کا ہر ایک چیز کے ہونے کے لئے اُس سے پہلے اُن چیزوں کا ہونا ضرور ہے جو اُس کے ہونے کے لئے ایک ضروری سبب ہیں ایسا ہے کہ کوئی چیز مادی ہو یا غیر مادی - خارجی ہو یا ذہنی اُس سے متشکل نہیں جتنی چیزیں ہماری آنکھ کے سامنے آتی ہیں اُن میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں جو اُن چیزوں کے بغیر ہو گئی ہو جو اُس کے ہونے کے لئے قدرتاً مقدم ہیں۔ جتنے خیالات ہمارے ذہن میں گذرتے ہیں اُن میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس کے پہلے وہ باتیں ہمارے ذہن میں نہ آجاتی ہوں جو اُس خیال کے پیدا ہونے سے پہلے عادتاً ضروری ہیں۔ جتنی چیزیں ہیں انہیں قدرت نے باہم ایسا تسلسل اور ارتباط رکھا ہے کہ ایک سے دوسری اور دوسری سے تیسری پیدا ہوتی ہے۔ پس ہر چیز کے حاصل کرنے کے لئے اُن چیزوں کا پہلے مہیا کرنا جو اُس کے لئے بطور آلات اور معدات اور مقدمات کے ہیں تدبیر ہے اور اُنکے مہیا کرنے پر اُس چیز کے حاصل ہونے کی توقع کرنا امید ہے اور بغیر اسباب کے کسی چیز کے پیدا ہونے کا خیال کرنا جنوں و نادانی ہے۔ اور بلا مہیا کرنے اُن اسباب کے اُس شے کے حاصل ہونے کی توقع کرنا حماقت ہے۔ اور جو چیزیں کسی چیز کے ہونے کی اصل سبب ہوں اُن سے اُس شے تعلق ہونے کی

توقع کرنا تاہیر کی غلطی ہے۔
 یہ بات جو ہم نے بیان کی اُسے نادان سے لیکر کامل حکیم
 تک۔ اور جاہل سے لیکر عارف بانڈ تک۔ اور لحد سے لیکر شارع
 تک۔ سب نے تسلیم کیا ہے اور سب ماشہ پہلے آئے ہیں اور ہم
 سب ہر وقت اور ہر لحظہ ہر چیز میں اس قاعدے کا برتاؤ دیکھتے
 رہتے ہیں۔ چنانچہ ہم اسے ایک صاف اور روشن مثال میں سمجھاتے
 ہیں۔ دیکھو۔ ایک دیہقان غلہ پیدا کرتے کے لئے کیا کرتا ہے۔ اور
 اُسے غلہ حاصل کرنے سے پہلے۔ کس کس چیز کا مہیا کرنا ضرور ہوتا
 ہے۔ پہلے وہ اچھی زمین تلاش کرتا ہے جس میں زراعت کی فائز
 ہو۔ پھر وہ اُن آلات کو جمع کرتا ہے جن کی زمین بنانے کیلئے
 ضرورت ہے۔ پھر وہ اُن آلات کو کام میں لاتا ہے اور جو خود
 رو گھاس یا پرائی کیتی کی بیکار اور نکلی چیزیں اُس میں پڑی
 رہ جاتی ہیں اُن کو صاف کر کے زمین کو اصلی ہیئت پر لا کر اُسے
 بناتا ہے۔ پھر وہ سوچتا ہے کہ کس جنس کی اُس وقت ضرورت
 ہے تاکہ لوگوں کی حاجت راف ہو اور مجھے قیمت ملے۔ آخر وہ
 مختلف جنسوں میں سے ایک یا چند چیزوں کو اختیار کر کے اسکا
 عمدہ بیج ڈھونڈھتا ہے۔ اور مختلف دوکانوں۔ مختلف بازاروں
 میں خود پھر پھر کر اُسے تلاش کرتا ہے اور اپنے نزدیک وہ ایسا
 بیج جو نہ سڑا ہو نہ گلانہ ہوسیدہ ہو نہ ناقص۔ سوائی قیمت
 دیکر لیتا ہے۔ پھر اُسے ایک اندازہ معین سے زمین میں ڈالتا
 ہے۔ پھر اُسے مٹی میں ملا کر چھپا دیتا ہے۔ پھر اگلنے کے بعد

وقتاً فوقتاً پانی دیتا ہے اور جو خود رو گھاس پیدا ہو جاتی ہے اُسے
دور کرتا رہتا ہے۔ پھر جب اُن تدبیروں کے کرنے کے بعد اُسکی
کھیتی ارضی و سماوی آفات سے محفوظ رہی اور اُن باتوں سے جو
اُس کے اختیار سے خارج ہیں خدا نے اُس کی زراعت کو بچایا۔
تب وہ ایک دالے کے ستو ستو اور ہزار ہزار حاصل کرتا ہے اور
اپنی محنت اور تدبیر کا ثمرہ پاتا ہے۔

پس اِن سب چیزوں کا مہیا کرنا اور اِس تسلسل اور
ارتباط اور ترتیب کا لحاظ رکھنا تدبیر ہے اور بعد اس کے پھل
پانے کی توقع کرنا سچی امید ہے۔ اور ان میں سے کسی چیز کو چھوڑ
دینا یا کسی ترتیب اور ارتباط میں چوک جانا یا کسی امر کی تقدیم
و تاخیر کا لحاظ نہ کرنا۔ یا وقت پر کسی چیز کو استعمال میں نہ لانا
تدبیر کی غلطی ہے اور کسی چیز کا باوجود سعی کے نہ ملنا یا کسی اتفاقی
امر کا پیش آ جانا یا کسی ارضی و سماوی آفت سے اُس زراعت
کا خراب ہو جانا تقدیر کی مخالفت ہے۔

مسوالات

- ۱۔ قدرت کے قانون کا غیر تبدیل قاعدہ کیا ہے؟
- ۲۔ وہقان کو غلہ پیدا کرنے کے لئے کیا کیا کرنا پڑتا ہے؟
- ۳۔ دنیا میں سچی امید کیا ہے؟

گلشن امید کی بہار

انسان کی طبیعت کو خدا نے انواع و اقسام کی تیغیتیں عطا
کی ہیں۔ مگر یہ زمین جس قدر تخم امید کو پرورش کرتی ہے۔ اِس

کثرت سے کسی کیفیت کو میرسبز نہیں کرتی۔ اور اور کیفیتیں خاص
 خاص وقت پر اپنا اثر کو اُٹھتی ہیں۔ یا بمقتضائے سن خاص خاص
 عمروں میں ان کے اثر ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر امید کا یہ حال ہے
 کہ بس وقت سے اس بات کی تینہ ہونے لگی۔ کہ حالت موجودہ بالکل
 کچھ خوش حال یا بد حال بھی ہو سکتی ہے۔ اسی وقت سے اسکی
 تاثیر شروع ہو جاتی ہے امید ایک رہنمائی بہم ہے۔ کہ ہر حال
 اور ہر زمانے میں ہمارے دم کے ساتھ رہتا ہے۔ دہم دم دلوں
 کو بڑھاتا ہے۔ اور سینے کو پھیلاتا ہے خیالات کو وسعت دیتا
 ہے۔ اور نئی نئی کامیابیوں کی غیبیں دیتا ہے۔ غرض ہمیشہ
 کسی نہ کسی خوشحالی کا باغ پیش نظر رہتا ہے کہ یا اس سے
 کوئی کلفت رفع ہو۔ یا کچھ فرحت زیادہ ہو۔ خدا کی نعمتیں اور
 ساری خوش نصیبی کی دولتیں حاصل ہو جائیں پھر بھی یہ جاؤنگا
 منظور ایک نہ ایک ایسی تصویر سامنے کھینچ دیتا ہے۔ جسے
 دیکھکر یہی خیال آتا ہے کہ بس یہ بات ہو جائے گی۔ تو ساری
 ہوسیں پوری ہو جائیں گی۔ اور پھر سب آرزوں سے جی پُر ہو جائیگا
 اس میں بھی شک نہیں کہ امید کا ہونا ہر حال میں ضرور
 ہے۔ مغلسی بیماری۔ قید۔ مسافت۔ بہت سے دنیا کے دکھ درد ہیں
 کہ امید نہ ہو۔ تو ہرگز نہ جھیلے جائیں۔ آسا ہے۔ بڑا سارے۔ یہ
 نعمت جو بظاہر ہر کس و نا کس میں عام ہو رہی ہے۔ وہ
 ضروری ہے کہ دنیا کی بہتر سے بہتر حالت بھی ہوگی اس
 ضرورت سے بے نیاز نہیں کر سکتی۔ کیونکہ حقیقت میں یہ مشغلے

زندگی کے بھلاوے ہیں۔ اور آنکا سہارا ہمارا دل نہ بڑھانا رہے۔
 تو ایک دم گذارنا مشکل ہو جائے اور زندگی وبال ہونے لگے۔ میت
 ایک دم بھی ہلکوجینا بھرمیں تھانا گوارہ پر امید وصل پر برسوں گوارا ہو گیا
 اس میں شک نہیں۔ کہ اُنید دھوکے بہت دیتی ہے۔ اور اُن
 باتوں کی توقع پیدا کرتی ہے۔ جو انسان کو حاصل نہیں ہو سکتیں۔
 مگر وہ دھوکے اصلی نعمتوں سے سوا حزا دیتے ہیں۔ اور موہوم
 وعدے قسمت کی لکھی ہوئی دولتوں سے گراں بہا اور خوشنا
 معلوم ہوتے ہیں۔ اگر کسی معاملے میں ناکام بھی کرتی ہے۔ تو
 اُسے ناکامی نہیں کہتے بلکہ قسمت کی دیر کمر ایک اس سے
 بھی اعلیٰ یقین سامنے حاضر کر دیتی ہے۔

میں ایک رات ان ہی خیالات میں حیران تھا۔ اور سوچ
 رہا تھا۔ کہ انسان کے دل میں شوق کہاں سے پیدا ہو جاتا
 ہے۔ جس سے اپنے بتیں آپ دھوکے دیتا ہے۔ اور زمانہ آسنہ
 پر رنگ آمیزیاں چڑھا کر خود اپنے لئے امید و بیم اور نفع
 و نقصان کے سامان تیار کر لیتا ہے۔ بیکایک آنکھ لگا گئی۔
 دیکھتا ہوں کہ میں ایک باغِ نو بہار میں ہوں۔ جس کی وسعت
 کی انتہا نہیں۔ امید کے پھیلاؤ کا کیا ٹھکانا ہے اس پاس
 سے لیکر جہاں تک نظر کام کرتی ہے تمام عالم رنگیں و شاداب
 ہے۔ ہر چہ رنگ و روپ کی دھوپ سے چمکتا۔ خوشبو سے
 مہکتا۔ ہوا سے لہکتا نظر آتا ہے۔ زمین فصل بہار کی طرح
 گلہاسے گوناگوں سے بو تلموں ہو رہی ہے۔ اور زنگارنگ

کے جانور درختوں پر چھپے بھر رہے ہیں۔ یہ سماں بہار کا دیکھ کر دل پر
ایک عالم طاری ہوا۔ مگر سرتاپا محو ہو گیا۔ جب ذرا ہوش آیا۔ تو
اُن چن ہائے دلکشا کو نظر غور سے دیکھنے لگا۔ اور ایسا معلوم
ہوا۔ کہ اگر آگے چلوں تو شگفتگی اور تفریح کا لطف زیادہ ہو۔
پھر دیکھا کہ تھوڑی ہی دُور آگے رنگیلے چمکیلے پھول کھلے ہیں
اب زلال کے چشے دھوپ کی چمک سے جھلجھل کر رہے ہیں
اوپنے درخت جھنڈ کے جھنڈ چھائے ہوئے ہیں۔ جو جانور دھیمی
دھیمی آواز سے بولتے سنائی دیتے تھے۔ یہاں خوب زور و شور
سے چمکار رہے ہیں۔ چاروں طرف ہرے ہرے درخت لہکاتے
ہیں۔ اور پھول اپنی نوٹنبو سے مہک پھیلاتے ہیں۔ مگر پھر یہاں سے
جو نظر اٹھائی۔ تو اور ہی طلسمات نظر آیا۔ یعنی دیکھا کہ سامنے
جو درخت جھوم رہے ہیں اُن کے تیار میوے زمین کو پھوم
رہے ہیں۔ اس لطف نے اور آگے بڑھنے کو دلچسپ کیا۔ چنانچہ قدم اٹھایا
مگر جوں جوں آگے بڑھتا گیا۔ زیادہ جیران ہوتا گیا کیونکہ جو
میرادل سامنے سے لہکائی دکھائی دیتی تھی۔ پاس پہنچ کر اس کی
رنگت پھینکی پڑ گئی۔ اور میوے تو ابھی چمکے تھے۔ مہائیں جو چھپے
بھر رہی تھیں۔ وہ آگے آگے اڑتی چلی جاتی تھیں۔ اگرچہ میں
بہت پھرتی سے پہنچا تھا۔ اور جو بہاریں تھیں۔ وہ بھی ہر قدم
پر سامنے ہی تھیں۔ مگر تو بھی ہاتھ نہ آسکیں۔ گویا میرے شوق
آرزو کو ڈھکائی تھیں۔ کہ جوں جوں میں آگے بڑھتا تھا۔ وہ او
بھی آگے بڑھتی جاتی تھیں۔

اگرچہ بار بار خوش اور دہمدم غمگین ہوتے ہوئے دن ہو گیا تھا۔ مگر دل کے کائن میں کوئی یہی کسے جانتا تھا۔ کہ جیسے چلے جو نعمتیں ڈھبکا رہی ہیں۔ کبھی نہ کبھی ہاتھ۔ کبھی آئیں گی۔ انہیں چلتے چلتے ایک جگہ نظر آیا۔ کہ جس میں زن و مرد خرد و کلاں بہت آدمی اُچھلتے کودتے چلے جاتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ سب کسی مجلس یا میلے میں جاتے ہیں۔ یا کسی نشاط عام کے جشن میں شامل ہوتے ہیں کیونکہ ہر ایک کے منہ پر یقین کا رنگ چک رہا تھا۔ اور ایک ایک آنکھ سرمہ شوق سے روشن نظر آتی تھی ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا تھا۔ کہ ہر ایک کی خوشی کچھ خاص قسم کی ہے۔ کہ وہ اُسی کے دل میں ہے۔ سب نے چلے ساتھ ہی چلے جاتے تھے۔ مگر نہ کوئی اپنا ارادہ دوسرے کو بتانا چاہتا تھا۔ نہ اپنے فکر کا راز دوسرے کو بتانا گوارا کرتا تھا۔ بہت لوگوں کی گرمی رفتار سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ مگر کون شوق کی پیاس سے تڑپتا ہو۔ تو انہیں اُس کے اُچھلانے کی فرصت نہیں اس واسطے اُن کے روکنے کو جی نہ چاہا اور تھوڑی دیر تک غور سے دیکھا کیا۔ ایک بڑھا نظر آیا۔ کہ باوجود بڑھاپے کے ان ہی میں مثال تھا۔ ہاتھ پاؤں بہت لمبے تھے۔ مگر کچھ ہونہ سکتا تھا میں نے خیال کیا۔ کہ بڑے کو اب کیا ہوس ہوگی۔ اسے تو شاید کچھ جواب دینے کی فرصت ہو۔ چنانچہ اسے سلام کیا تو بڑے نے تھوڑی دیر بل کر سٹھ پھیر لیا۔ اور کہا صاحب دن نہ پہچے۔ آپ جانتے بھی ہیں۔ جس وقت کی کہ ہم عمروں سے آرزو کر رہے ہیں۔

تھے وہ رقت آن پہونچا ہے۔ اب ایک عہد آتا ہے کہ تمام عالم
فارغ الہامی سے مالا مال ہو جائے گا۔ افلاس زدہ اور طالب روزگار
بیچارے ٹیکس اور محصولوں کے مارے آئے دن کی جانکونی سے
خلاص ہو جائیں گے۔ بلکہ فلک کے سمرغ جو اہل عالم کے کاروبار
میں رات دن سرگرداں ہیں۔ وہ بھی بازار ڈالکر آرام سے بیٹھ
جائیں گے۔

میں نے بدستے کو اُس کی خشکی دماغ کے حوالے کیا۔ اور وہی
گھڑ گیا۔ اتنے میں ایک شخص سامنے آیا۔ جس کی ملائمت شکل اور
آہستگی رفتار سے معلوم ہوا کہ شاید کچھ اخلاق سے پیش آئے۔
مگر جب میں اُس کی طرت بڑھتا تو اُس نے جھجک کر ایک سلام
کیا۔ اور کہا اگر آپ کی خدمت کی فرصت ہوتی تو میں بہت
خوش ہوتا۔ مگر اب تو اس خوشی کا ہوش نہیں۔ کیونکہ بیش
برس سے میں ایک عہدے کی امیدواری کر رہا تھا۔ اب وہ خالی
ہوا چاہتا ہے۔ میں نے اُسے بھی چھوڑا۔ اور ایک اور کو جالیا
وہ گھبرایا ہوا جاتا تھا۔ کہ چچا کی میراث پر قبضہ کرے۔ کیونکہ
اُس کی بیماری کی خبر سننے میں آئی تھی۔ اُس کے پیچھے ایک اور
شخص دیکھا۔ کہ بے تحاشا بھاگا چلا جاتا تھا۔ اُس نے ایک غوطہ
خوری کی کل ایجاد کی تھی۔ اُس کے دریاے منافع میں غوطہ مارا
چاہتا تھا۔ یعنی اگر کچھ اور نہ ہو۔ تو ایجاد کا انعام ہی ہاتھ آجائے
ایک شخص کو دیکھا کہ تھوڑی دور چلتا ہے۔ اور ٹھہر جاتا ہے۔
معلوم ہوا۔ کہ وہ طول بلد اور عرض بلد کے خیالات پھیلا رہا ہے

اور سرکارِ علم سے انعام کا امیدوار ہے۔
 جب جا بجا سے ٹکڑیں کھائیں۔ تو سوچا کہ اوروں سے دریافت
 کرنا بیجاصل ہے۔ اب جو اپنی آنکھ کے۔ وہ ٹھیک ہے۔ آگے بڑھو
 اور آپ دیکھو کہ اتنے میں ایک نوجوان شوقین بے پروا سا نظر آیا
 وہ آزادی کے عالم میں مسکراتا چلا جاتا ہے اُسے دیکھکر دل میں
 کہا کہ بھلا ایک دفعہ تو اُسے بھی ٹٹولنا چاہئے۔ چنانچہ معمولی سول
 کا سبق اسے بھی سنایا۔ وہ ہنسا اور کہا۔ صاحب! جہاں آپ
 کھڑے ہیں۔ یہ ملکہ امید کا باغ ہے۔ وہ ملکہ آرزو کی ٹیٹی
 ہے۔ ذرا سامنے دیکھو۔ بہت سی پریاں خوشنا اور نفیس نفیس
 لے کھڑی ہیں۔ جن لوگوں کو تم نے زور و شور مچاتے دیکھا۔ یہ
 انہی کے اشاروں پر لپچائے ہوئے دوڑے جاتے ہیں۔

آنکھ اٹھا کے دیکھوں۔ تو فی الحقیقت سامنے ایک ایوانِ عالی
 شان ہے۔ اور اُس کے صدر میں ایک پری جس کا گلزارِ جوانی
 عین ہمار پر ہے۔ سر تخت جلوہ گر ہے۔ مسکراہٹ اُس کے زیر
 لب پارے کی طرح ٹوٹتی ہے۔ لعل و جواہر۔ تاج مرصع۔ موتیوں
 کے ہار۔ خلعتِ نازنگار کشتیوں میں چنے ہوئے آگے دھرے ہیں۔
 قسمت و نصیب جہاں کی نعمتیں سنجائے اُس کے دیش چیش
 دست بستہ حاضر ہیں اور بہارِ زندگی کے پھولوں کا فرش سامنے
 بچھا ہے۔ عیشِ مدام اور فرحتِ دوام سے چہرہ روشن ہے
 اُس کے لبوں کی مسکراہٹ اور آنکھ کی لگاؤٹ عام سے خاص تک
 برابر سب کی حق شناسی کر رہی ہے۔ اُس سے ہر شخص یہی

سمجھ رہا ہے۔ کہ ملکہ میری ہی طرف متوجہ ہے۔ اور اسی بھروسے پر
 ہر ایک فخر و ناز کے مارے پھولا نہیں رہتا۔

دیکھ کر میں ایک ٹیلے پر چڑھ گیا کہ وہاں سے ہر جگہ اندر
 پہنچ سکتی تھی اور اس جگہ ٹھٹ کے بھی ایک ایک آدمی کا
 حال خوب خیال میں آتا تھا۔ وہاں سے معلوم ہوا۔ کہ باغ امید
 کے اندر جانے کے دو دروازے ہیں۔ ایک داروغہ دانش کے
 اختیار میں ہے۔ دوسرا داروغہ خیال کے تحت میں ہے
 داروغہ دانش ایک تند مزاج اور دسواسی شخص ہے۔ کہ
 جب تک بہت سے سوال اُلٹی سیدھی جتیں نہیں کر لیتا۔
 تب تک قفل کی کنبی کو جنبش نہیں دیتا مگر داروغہ خیال
 لیس اور بلند شخص ہے۔ یہ اپنا دروازہ کھلا ہی رکھتا ہے
 بلکہ جو اس کی حد میں جائے اس سے بڑی عزت و توقیر کے
 ساتھ پیش آتا ہے چنانچہ جو لوگ داروغہ دانش کی جتوں سے
 گبرائے تھے۔ یا جنھیں اس نے جانے نہیں دیا تھا۔ ان لوگوں کی
 بیڑ اس کے دروازے پر لگ رہی تھی واروغہ دانش کے
 دروازے سے ملکہ کے شہنشاہ خاص کو رستہ جانا تھا۔ مگر اس راہ
 کی زمین پھسلنی سرک پتھر ٹی۔ رستے ایسے ایچ بیچ کے تھے کہ
 کھٹن گھاتی اسی کو کہتے ہیں جب کسی قسمت والے کو وہاں سے
 اجازت ملتی تھی تو اس کھٹن گھاتی میں مکہ بھرتے پڑتے تھے
 اگرچہ چڑھنے والے پہلے سے بھی رستے کے ایچ بیچ اچھی طرح جانچ
 لیتے تھے۔ اور جو بچاؤ کے مقام تھے۔ ان میں قدم قدم پر

نشان کر لیتے تھے۔ مگر پھر بھی اکثر ایسی مشکلیں پیش آتی تھیں۔
 جنگا نشان دگمان بھی نہوتا تھا۔ بلکہ جہاں صاف سیدھا رستہ
 سمجھے ہوتے تھے وہاں کچھ ایسا تنگہ پیش آتا تھا۔ کہ یکایک غم
 جانا پڑتا تھا۔ ہزاروں الجھاؤں میں الجھتے تھے۔ صدمہ رہیوں
 میں رہتے تھے۔ بہتیرے ٹھوگرے کھا کھا کر گرتے تھے اکثر نفس
 پوش گڑھوں میں جا پڑتے تھے۔ غرض ایسی ایسی خطرناک وارداتیں
 اور ناکامی کے صدمے تھے۔ کہ بہت آدمی تو پہلے ہی ہاوا
 میں اُٹے پھر آتے تھے۔ بہتیرے رستے میں غش کھا کر رہ جاتے
 تھے بعض بعض ایسے بھی تھے کہ ان کی اسلقلال سے راہ بھی
 وہ اُس کی دستگیری سے ملکہ کے ابواں تک جا پہنچتے تھے انیس
 اکبر ایسے ہوتے تھے جو صلے کو دیکھ کر بچانے لگتے کہ ہمارے
 محنت تو اس سے زیادہ تھی۔ یہ تو کامیابی نہیں ہوئی۔ حق
 تلفی ہوئی ہے۔ باقی جو لوگ اخیر النام لیکر پھرتے تھے اُن کا
 انجام یہ ہوتا تھا کہ **وانائی** داروغہ دانش کی بی بی ملکہ
 کی مصاحب تھی۔ وہ اُنکا ہاتھ بکڑتی تھی۔ اُس کی رہنمائی سے
 وہ لوگ گوشہ قناعت میں جا بیٹھے تھے۔

اے راہ امید کے مسافرو! چونکہ داروغہ دانش کی محبتیں
 اور ان کے رستے کی مشکلیں سمجھے بہت سخت معلوم ہوئیں۔ اسلئے
 میں نے داروغہ خیال کی غلط ترغ کیا۔ یہاں ہارگاہ کی طرف
 جانے کو کوئی معمولی سڑک نظر نہ آئی مگر ملکہ صاف سامنے کھڑی
 تھی۔ وہ یہاں سے سرتاپا ساری نظر آتی تھی اور اپنی عجب و

غرائبِ نایاب اور بیش قیمت چیزوں پر سب کو برابر حسی طلب کے انداز رکھائی گئی۔ پھر بھی لطف یہ تھا کہ ایک ایک دل کو اپنی ہوا میں جدا جدا انداز سے اڑا رہی تھی۔ جس سے ہر شخص یہ جانتا تھا کہ جو نگاہ نیچے سے۔ وہ کسی پر نہیں اور مجھ سے زیادہ کسی کو کامیابی کی امید نہیں۔ اسی واسطے بجائے خود کسی کا داغ پایا نہ جاتا تھا۔ پہاڑ اس خیالی رستے کی طرف سے ایسا ڈھلوان تھا کہ قدم نہ ٹھہر سکتا تھا۔ کیونکہ درمی باتوں میں پانداری کہاں۔ باوجود اس کے کہ دور رفت کے نشان بہت کثرت سے تھے۔ کیونکہ اس رستے میں چلنے والے بہت ہیں۔ اس کی سڑک سایہ دار درختوں سے ایسی چھائی ہوئی تھی کہ کسی کو جانا مشکل نہ معلوم ہوتا تھا۔ ساتھ ہی اس کے ہر شخص یہ جانتا تھا کہ جو رستے میں نے پایا ہے وہ کسی کو ہاتھ نہیں آیا۔

یہ بلا نصیب لوگ بہتیرے جن کو رہے تھے۔ یعنی تو ایسے کھدار برگانے کی فکر میں تھے۔ جن کی حرکت کبھی تھمے ہی نہیں۔ بعضے کہتے تھے کہ جو ہو سو ہو۔ انہی قدموں چلے جاؤ۔ بلا سے مرجاؤ۔ یہ سب حکمتیں کرتے تھے۔ اس پر بھی زمین سے اُٹھ نہیں سکتے تھے اور اکٹھے تو وہیں گر پڑے۔ مگر یہاں پڑے تھے تاکہ ادھر ہی لگی تھی۔ اور اس حال تباہ پر خود پسندی کا یہ عالم تھا کہ جو لوگ سامنے عقل کی کٹھن منزل میں ہاتھ پائے مار رہے تھے۔ انہیں پڑے پڑے تہتے تھے۔

اکثر خیموں کے پناہ گزینوں اور وہم کے بندے۔ ایسے بھیوے
 بھالے تھے۔ انہوں نے اس باغ میں آکر اوریں کی طرح چڑھنے
 کا ارادہ بھی نہ کیا تھا۔ یونہی ایک جگہ پڑ رہے تھے۔ یہ مقام
 کمال گنگائی کہلاتا تھا۔ اور ایک سدھان اور بے آزار موقع
 پر تھا۔ مگر تاکہ یہاں سے بھی سامنے تھی یہ اسی نشین میں
 خوش پڑے تھے کہ کوئی دم میں وہ خود یہاں آیا چاہتی ہیں
 اگر یہ اور لوگ ان غریبوں کے آئیں اور کمال وہو جھٹکتے
 مگر غریبوں کو پروا بھی نہ تھی۔ بلکہ یہ علم غلام لوگ ہی جو وہ
 میں خوش شیشے تھے کہ سب سے پہلے ہمہ نظر عنایت ہوگی۔

وہی بے پرواؤں میں میں بھی پڑا پھرتا تھا۔ ان میں اتنا
 لطیف پایا کہ اگر کوئی بات کرے۔ تو اس کا جواب دیتے تھے۔ اور
 اور اپنی باتوں سے بھی دل خوش کرتے تھے۔ اسی خیال میں
 ایک ایک نظر پھر کر جو دیکھا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ وہ دیو ڈراؤنی صورت
 بھیا تک مورت اس گنگائی میں چلے آتے ہیں۔ کہ ان کی کسی کو
 خبر نہیں۔ ایک تو میں جانتا تھا کہ عمر ہے۔ مگر دوسرا افسانہ
 تھا۔ ان کے دیکھتے ہی سارے باغ اور چمن آنکھوں میں خاک
 مریاد ہو گئے۔ اور یہ معلوم ہوا کہ بس عیش و آرام کا خاتمہ
 ہو گیا۔ دلوں پر خوف و ہراس چھا گیا۔ لوگ جو ڈر کے مارے
 چٹخیں مار مار کر چلائے۔ تو گویا عالم میں ایک کھرام مچ گیا
 میں بھی چونک بڑا۔ اور دیکھا۔ تو کچھ بھی نہ تھا۔

سوالات

- ۱۔ امید ہمارے اوپر کیا کیا تاثرات پیدا کرتی ہے؟
- ۲۔ ثابت کرو کہ ہر حال میں امید کا ہونا ضروری ہے۔
- ۳۔ امید ہم کو کیا کیا ڈھوکے دیتی ہے؟
- ۴۔ مصنف کے خواب کا حال بیان کرد اور اُس سے جو نتیجہ نکلتا ہے اُسے ظاہر کرو۔
- ۵۔ رنگشن امید کی بہار کا خلاصہ مطلب تحریر کرو۔
- ۶۔ ملکہ امید۔ قسمت و نصیب۔ عیش و آرام۔ فرحت و دام۔ داروغہ خیال۔ استقلال۔ صلہ۔ داروغہ دانش۔ خود پندی۔ کاہل گفائی۔ افلاس کی تفصیل بیان کرو۔

نامیدی

یہ مضمون منشی لعل احمد صاحب۔ بی۔ اے کا ہے جو منشی امیر احمد صاحب مینائی کے صاحبزادے ہیں۔ حیدر آباد میں ایک اعلیٰ عہدے پر سربراہ ہیں۔ نظم و نثر دونوں چھپکھپے میں انسان کا دل منج ہے جذبات اور خواہشوں کا جذبات دلی کی خدمت قرار دینا دشوار ہے۔ لیکن خواہشوں کی انتہا اُن کے پورے ہونے تک ختم ہو جاتی ہے۔ مگر اُس کا سلسلہ طویل ہے۔ ایک خواہش کے بعد دوسری خواہش اس طرح نمودار ہوتی ہے جیسے زنجیر کی ایک کڑی کے بعد دوسری کڑی۔ یہی جذبات اور خواہشوں کا متواتر ایک دوسرے کے بعد پیدا ہوتے رہنا انسانی حیات میں کشمکش اور حرکت کا باعث ہوتا ہے۔ اگر ایک خواہش پوری ہونے کے بعد دوسری پیدا نہ ہو تو نہ صرف انسانی زندگی سست اور ساکن ہو جائے بلکہ انسانی کوششیں بند اور انسانی ترقی رک جائے اور انسان جہاں اُس کی پہلی خواہش پوری ہو وہیں قانع ہو کر بیٹھ رہے

لیکن ایک آئندہ بر آئے کے ساتھ ہی ابھی اسکا لطف اٹھانے کا اور اپنی حرکت کو روک کر ذرا دم لینے کا موقع بھی نہیں ملتا کہ فوراً ہی ایک اور آئندہ سابقہ آرزو کی جگہ لیکر دل میں گد گدی پیدا کرتی ہے۔ اور محنت کے مارے انسان کو اس طرح بیچین کرتی ہے کہ وہ اس طرح کمر باندھے دوسرے کشمکش میں اپنے آپ کو ڈال دیتا ہے اور پھر اپنی کوششوں کو تازہ دم کر کے اس نئی خواہش کے حاصل کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ یہ دوڑ انسان کی زندگی بھر رہتی ہے۔ سوائے اس آخری وقت کے جب کہ مرث اور اپنے فریبی انجام کا خیال ان خواہشوں کو ابھرتے نہیں دیتا اور وہیں دل ہی کے اندر اٹکا دم گھوٹ دیتا ہے۔

۔ ہر خواہش جو دل میں پیدا ہوتی ہے اس کے دو انجام ہوتے ہیں۔ یا تو وہ خاطر خواہ پوری ہو یا نہ ہو اگر ایک خواہش پیدا ہو جاتی ہے تو چاہئے کہ اس کے پورا ہونے پر دل کو خوشی اور راحت پیش ہو۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا اور بے قرار دل کو آرام نہیں ملتا۔ خواہش کے پورا ہونے میں سوا اس مطلوب سے ایک قسم کی سیری مال بہ نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور تازہ خواہش نئے تھریریاں سے پیراستہ دل کو چھیدنا شروع کر دیتی ہے۔ فوراً انسانی قوسے دوسری طر متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس سابقہ خواہش کا پورا ہونا بالکل بے مزہ اور اذیٰ معلوم ہوتا ہے ایک خواہش کے بعد دوسری خواہش کے وجود میں آنے کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ اور یہی انسان کو محنت کرنے

مصائب جھیلنے اور اپنے آپ کو خطرات میں ڈالنے پر تحریک اور
 تحریک کرتا ہے۔ یہی اس کی کوششوں کو برابر جاری اور برقرار
 رکھتا ہے۔ اور یہی اس کی زندگی کی مصروفیت کا سبب ہے۔
 لیکن اس دور میں سرگرم رہنے والی صورت امید ہے۔ اگر اس
 امید میں ذرا بھی تزلزل ہو جاتا ہے تو کوششیں اور مصروفیت رہ جاتی
 ہیں۔ دل برداشتہ ہونے سے حرکت بند ہو جاتی ہے۔ اور آخر وہ
 حالت سکون پیش آتی ہے۔ جس میں لائحہ پر ہاتھ رکھ کر یا تو
 کسی غائبانہ امداد کی توقع کرنی پڑتی ہے یا خوشی سے اپنی
 بد قسمتی پر آنسو بہانے کی فزیت آتی ہے۔ یہ آخری حالت انسان
 کی نہایت اضطرابی حالت ہے اور اسی کا نام نا امیدی رکھا
 گیا ہے۔ جب کسی وقت انسان اس حالت میں مبتلا ہوتا ہے
 تو اس کے لئے دنیا میں خوشی کے راستے سب طرف سے بند
 ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ امید جو خوشی کی بشیر ہے اپنی آمد و رفت متوقف
 کر دیتی ہے اور زندگی کا ایک ایک گز اڑنا مشکل اور وبال
 ہو جاتا ہے قوت متخیلہ بھی جسکا عمل امید کے ماتحت ہے کوئی دور
 نزدیک راحت اسکے لئے پیش نہیں کر سکتی۔ کون سا ان اسکو
 اپنے دل کے مسرور کرنے کا نظر نہیں آتا۔ اس نا امیدی کا
 سیلاب جب ایک بد نصیب سامنے سے آتا ہوا دیکھتا ہے
 تو التجا کے ساتھ مایوسانہ لہجہ میں دفعۃً پکار اٹھتا ہے کہ
 بھٹلے دے ذرا اے نا امیدی کیا قیامت کہ دامن خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے
 بہت سے ایسے لوگوں کو جنہوں نے خود کشی کر کے دنیا کے مصائب

سے نجات پائی ہے۔ بعض لوگ بزدل اور کمزور بتلایا کرتے ہیں۔
 لیکن یہ بزدل بننے والے جو اکثر غالباً اس حالت سے آگاہ ہیں
 ہوتے اور نہ اسکا اندازہ لگا سکتے ہیں جو ناامیدی کی حالت ہے
 اگر یہ الزام لگانے والے اپنے دلیر دلوں میں کسی ایسے شخص
 کی حالت کا تصور کریں گے جس کی ایک دلی آرزو پوری ہونے کی
 کوئی صورت نہ ہو جسکو امید کی ڈھارس بندھانے والا چہرہ
 کسی طرف نظر نہ آتا ہو جسے درد دیوار سے مایوسی کی آوازیں
 آتی ہوں جس سے ہمدردی ظاہر کرنے والی کوئی زبان نہ تو
 وہ دیکھیں گے کہ وہ ایک ایسا شخص ہے جس کی حالت حقیقی
 طور پر قابلِ رحم ہے۔ زندگی اس کے لئے بے مزہ ہے۔ دنیا میں وہ
 رہتا ہے مگر دنیا سے اسکو بہت دلبستگی ہے۔ جاننے پہچاننے
 والے اس سے انجان بنتے ہیں اور کوئی قنفص نہیں کہ اس کے
 درد کا شریک ہو۔ ایک ایسے شخص کی زندگی یقیناً کوئی زندگی
 نہیں ہے اور وہ اپنی زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہے۔ اور
 یہی خیال جب اس کے دل و دماغ پر چھا جاتا ہے تو وہ بار بار
 زبان سے کہتا ہے۔ زندگی! یہ زندہ رہنے کے قابل نہیں
 اور آخر وہ ایسے دلوں و ارفعل کا مرتکب ہوتا ہے جسے صرف
 اس کی حالت اور اسکا دل جان سمجھ سکتا ہے۔

اے وہ لوگو! بن کے واسن گل مراد سے بھرے ہوئے
 ہیں۔ اے وہ لوگو! جن کی آردوئیں کامیابی کے چشے سے سیراب
 ہیں۔ تم خوش ہو۔ تمھارے چہرے بشاش اور منہر ہیں۔ تمھارے

لبوں پر تبسم ہے اس لئے کہ تمہارے دل کا غنیمت اس ناامیدی
 کے مرجھا دینے والے جھوٹے سے محفوظ ہے۔ جس کی ایک ہی
 لپٹ اعضا کو نڈھال۔ چہرے کو زرد کر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر
 بیٹھا دیتی ہے۔ جو دل میں وہ سوزش اور پڑ مروگی پیدا کرتی
 ہے جس سے دل کے بخارات سرور آہوں کی صورت میں نکلتے
 ہیں۔ خدا کا شکر کرو۔ اور اس سترت کے وقت کو غنیمت سمجھو
 اور خدا کرے تم اس بادِ سموم سے ہمیشہ امن میں رہو جس کے
 جھوٹے مسرور سے مسرور دل کو افسردہ اور پژمردہ بنا دیتے
 ہیں۔ لیکن اُن مجروح دلوں پر نہ ہنسو جنکو ناامیدی نے
 خستہ بنا رکھا ہے۔ وہ لوگ جن کی زندگی اُن کے لئے وبال ہے
 اور جو اس وسیع دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں پاتے جو انہیں
 مرجھائے ہوئے دل کو ذرا شگفتہ کرے۔ وہ جنھیں سہارا
 دینے والی اس پاس کوئی چیز نہیں۔ وہ جو مایوسی کے اس
 درجے تک پہنچ گئے ہیں کہ جنھیں انسانی ہمدردی کا
 کوئی ثبوت نہ ملا اور اس بیکسی کی حالت میں وہ خدا پر بھی
 بھروسہ زائل کر کے اس کی رحمت سے دل شکستہ ہو گئے ہیں
 اسے کامیابی کے تاج پہننے والو! تم ایسی مخلوق پر ہنسو نہیں
 وہ لوگ نہیں جنکو اُن کی غیرت اور حیثیت نے موت سے
 بیخون بنا دیا ہے جو اپنے اہلادوں میں ایسے مستحکم ہیں کہ
 اپنی آرزوں پر اپنی جانیں قربان کرنا اپنی نجات سمجھتے ہیں
 یہ ایسے غمزدار دل رکھنے والے ہیں کہ کسی کے بارِ احسان

اور مرہون منت ہونے کو اپنی زندگی سے بدرجہ جانتے ہیں۔ بہر حال
 اسے دنیا کی مسرت سے فیضیاب ہونے والو! ماتم ایسے لوگوں سے
 ہمدردی کرو۔ اپنے رحم کرو یا کم از کم آنکو اُن کے حال پر چھوڑو۔
 اسے وہ لوگو! جن کے ساتھ دنیا کی امیدیں وابستہ ہیں۔
 اسے وہ کہ تم سے توقعات رکھنے والے تمہاری طرف اُس باندھے
 تک رہے ہیں۔ اسے وہ کہ تم دوسروں کی مرادوں کو سرسبز کرنے
 والے ہو کیا تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ تمہارے دست فکر محتاج
 اور امیدوار لوگوں کی خوشی تمہاری ذات پر منحصر ہے۔ اور اُنکے
 دل کی شگفتگی کی امیدوار کلی مرجھا کر اُن کی زندگی کو باسقد
 و بال جان کر دیگی۔ اگر وہ تمہارے تیور اپنی امیدوں کے خلاف
 برگشتہ دیکھیں گے۔ مایوسی کی گرم پلیٹ اس غنچہ دل پر جو مسرت
 کا مخزن ہے کیا افر کرے گی۔ جسکی تر و تازگی حیات کے لئے لازمی
 ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جن لوگوں کے دل افسردہ مجروح
 اور مایوس ہیں۔ زندگی اُن کے لئے کوئی راحت نہیں رکھتی صرف
 تنفس اُن کے لئے عذاب ہے۔ اور وہ اپنا آرام سوائے اس صورت
 کے کسی اور چیز میں نہیں دیکھتے کہ جستقد ر جلد ہو اس دنیا کو
 حیر باد لک کر اس عذاب سے نجات پائیں۔

پس اسے دلوں کی مراد بر لاسنے والو! دیکھنا تم ایسے بڑے گناہ
 کے مرتکب نہو نا کہ اس دل کو مایوس کرو۔ جس نے اپنی خوشی اور
 راحت کو تمہرے چھوڑ رکھا ہے۔ اسے لوگو! اگر تمہارے سہنوں میں
 دل اور دلوں میں احساس ہے تو کسی امیدوار دل کو نا امید نہ کرنا۔

سب کی بندی ہوئی اُس کو دانستہ یا نادانستہ طور پر یا اپنی
 بے برداری سے خاک میں نہ ملا دینا تمہارا ایک ادنیٰ فعل دوسرے
 کی خوشی پر بہت بڑا اثر ڈال سکتا ہے پس اس امر کا خیال نہ
 رکھنا کہ ایسا گناہ عظیم تھے کبھی سرزد نہو کہ وہ امیدوار جو
 ایک امید لیے تمہارے در پر آتا ہے۔ اور نہ اسے تمہیں اس امید
 کے پورا کرنے کی قدرت بھی دی ہے ایسا نہ ہو کہ وہ دل شکستہ
 تمہارے پاس سے مایوس جاے۔ تم دوسروں کی کار براری کرو۔ خدا
 تمہاری کار براری کرے گا۔ اپنی زندگی کے طرز عمل میں اس بات کا
 ضرور خیال رکھنا کہ تم بھی دل رکھتے ہو۔ تمہارے دل میں بھی
 آرزوئیں اور انگلیں پیدا ہوئی ہیں اور چونگی۔ اور تمہارے دل
 بھی کم و بیش امیدوں کا سرچشمہ ہیں۔ ایسا نہو کہ انہیں بھروسہ
 دن دیکھنا پڑے جو آج تمہارے تغافل اور لاپرواہی سے دوسروں
 کو نصیب ہو رہے۔ خدا کرے کہ تمہارے شاد و غم دل ناامیدگی
 کی تلخی سے آگاہ ہوں۔

کون ہے وہ شخص جو اس دل کی بیکلی سے آگاہ ہے جس کی
 تمنائوں کا فوں رمانے کے دستِ نظم نے کیا ہے۔ اور جس پر
 ناامیدی اپنی تاریک گھٹا سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔ جب وہ
 اپنے ایسے بھجنوں کو جو بعض باتوں میں اس کے برابر اور بہت سی
 باتوں میں اس سے کم ہیں۔ کامیابیوں سے سرخرو دیکھتا ہے۔ تو
 جو رنج اُس کے دل کو کاٹتا ہے اور جو حسرت اُس کے سینے میں
 پیدا ہوتی ہے وہ ایسی ہے کہ اُس کی تکلیف اور اُس کے مزے سے

ہوتی نہیں کہہ سکتا رسواے اس مظلوم دل کے کہ میں آگاہ ہوں
 ہائے محرومی، تیری شکایت کس سے کیجائے او شہتے کیا سکھر
 لازم انگایا جائے انسانی کوشش کو غرور پھل لانا چاہئے مگر اسوقت
 جب وہ بالائی طاقت سب اعتبار تقدیر سے اور بعض اتفاق سے تعبیر
 کرتے ہیں ان کے موافق ہو۔ اور اگر نہیں۔ تو اسے محرومی تقدیر
 آ۔ آ۔ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے اور چل جہاں تک تو مجھے لیا سکتی
 ہے۔ لیکن دیکھ میری ایک حد مقرر ہے اس سے زیادہ دور تو مجھے نہیں لیا سکتی
 نیت کے سمندر کے کنارے پر پود پکڑ میں تجھ سے بالکل آزاد ہوں
 ورتیرا شکار سبب چاہے تجھے آزادی حاصل کر سکتا ہے۔ (لطیف احمد)

سوالات

- ۱۔ اگر سلطان کے دل میں ایک امیر کے پورے ہونے پر دوسری امیر بیٹا ہو جائے تو
 اس کا کیا نتیجہ ہو؟
- ۲۔ ہر خواہش دل کے انجام کس کس طرح ہوتے ہیں؟
- ۳۔ امیر کی تعریف صفت کیا کی جاتی ہے؟
- ۴۔ لوگوں نے کیوں خود کشی کے قبیح جرم کو اپنی جان دیں جتنی ساری رائے اس
 معاملہ میں کیا ہے؟
- ۵۔ غرضی کے وقت غنیمت سمجھنے کے متعلق تم کیا کیا دلائل رکھتے ہو۔
- ۶۔ جو لوگ ایسے لوگوں کو جن سے ان کو امیدیں ہیں امیروں کے خلاف دیکھیں
 تو اس سے ان کا اثر ہوگا۔؟
- ۷۔ کسی کو امیدوار کیا امید کرنے کا کیا نتیجہ؟
- ۸۔ محرومی کا اثر انسان پر کیا پڑتا ہے۔؟

بحث

عزت ایک اچھا خیال ہے جو انسان کی خود اختیار ہی اچھی

حالتوں کے سبب سے اس کی بڑائی کی نسبت دل میں پیدا ہوتا ہے۔ عام اس سے کہ وہ حالتیں علمی ہوں یا علمی قول ہوں یا خلی۔ باطنی مون یا ظاہری۔ لازمی ہوں یا مستعدی۔ پس جو انسان جس قدر اپنی حالتوں کو درست کریگا۔ اور بقنا اچھے خیالوں۔ اچھی باتوں اچھے کاموں اچھی عادتوں سے موصوف ہوگا۔ اتنی ہی عزت کا مستحق ہوگا۔

عزت ہی وہ شے ہے جس کے حاصل کرنے کا شوق انسان سے بڑی بڑی سخت محنتیں کراتا ہے اور اسے بڑے بڑے رنج دیتا ہے اور جب وہ حاصل ہو جاتی ہے تو انسان اپنی زندگی بڑی خوشی سے گزارتا ہے۔ سارے رنج و غم بھول جاتا ہے۔ انسان مرتباً ہے اس کی ہڈیاں خاک ہو جاتی ہیں اس کی خاک کا نشان بھی نہیں ملتا پر اسکی عزت نہ مرنے ہے اور نہ خاک ہوتی ہے۔ ہمیشہ قائم اور برقرار رہتی ہے اور درحقیقت موت کی گناہی سے محفوظ رکھ کر انسان کو زندہ جب دید رکھتی ہے۔

عزت درحقیقت ایک نتیجہ اچھے کمالات کا اور ایک ثمرہ عمدہ صفات کا ہے اس لیے جب تک کوئی کسی کمال سے مکمل اور کمال حقیقت سے موصوف نہ ہو وہ عزت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح جو اچھے کمال کا جامع اور اچھی صفت سے متصف ہو وہ عزت کے اعتراف سے محروم نہیں رہتا۔

انسان کے اچھے خیال اچھی باتیں اچھے کام عزت کو ایسا کینچ لے ہیں جیسا کہ قناطیس کو سہنے کو یا کھڑیا کھانسی کو وہ کسی سے اپنے

بزرگی و عزت کا طالب نہیں ہوتا مگر لوگ خود بخود اُس کی عزت کرتے ہیں۔ وہ کسی سے اپنی تعریف نہیں چاہتا مگر سب اس کی صفات خود کرتے ہیں کیونکہ انسان کی اچھی حالتوں کا یہ قدرتی خاصہ اور ذاتی تاثیر ہے جسے کون تبدیل نہیں کر سکتا۔ پر جو شخص اپنے خیال رکھتا ہے اچھی صفات کا جامع ہوتا ہے وہ خود اپنے آپ کو اچھا جانتا ہے۔ اپنی آپ عزت کرتا ہے۔ وہ مغرور تو نہیں ہوتا مگر اپنے آپ کو سچی عظمت میں جانتا ہے وہ کمید آدمی کی طرح جھوٹی شہرت تو نہیں رکھتا مگر ممدوح خود داری کا خیال رکھتا ہے۔ اُسکا دل اُس سچی عزت اور ممدوح کی خود داری کے سبب سے ایک پر رعب شہنشاہ کے مانند ہوتا ہے جسے اپنی شاہنشاہی پر خود ناز ہو اسی واسطے وہ مخالفوں کے ذلیل کیے سے اپنے آپ کو ذلیل نہیں جانتا۔ دشمنوں کے حقیر کہہ دیے سے اپنی حقارت نہیں سمجھتا اُسکا دل ایک پتے ابدار موتی کے موافق جو ہری کا قوطی سب سے گہرا جھوٹی موتی کی جھوٹی جھلک دکھانے سے اپنی بے آبروی نہیں سمجھتا۔ وہ نعل بدخشانی کی طرح سلطانی تاج کی خواہش تو رکھتا ہے مگر کسی نادان مفاس کے پھینک دیے سے اپنی بے قدری نہیں جانتا۔ درحقیقت سچی عزت ایک قدرتی چشمہ کے موافق ہوتی ہے جسے کوئی خس و فاشاک ہرگز نہیں سکتا۔ اور ایک روش آفتاب کے مانند ہوتی ہے جس کی نورانی شعاعوں کو کوئی شہر چشم بند نہیں کر سکتا۔

جو شخص کسی قوم میں ایسی عزت کا مستحق ہو وہ درحقیقت

اُس قوم کا سہیل ہے جو اپنی قوم کے دلوں کو اپنے روشن خیالات کی برکت سے ساری غلامتوں اور کشتافتنوں سے پاک و صاف کر کے ادیم بینی کی طرح معطر اور منور کر دیتا ہے یا وہ نسیم بہاری کی خاصیت رکھتا ہے کہ اپنے نرم و لطیف روح افزا جھونکوں سے اپنے نلک کو بلبل ارم بنا دیتا ہے جس قوم میں کوئی ایسا شخص نہ ہو وہ خاردن کا ایک گلہ مست ہے جس میں کوئی کھپول نہ ہو۔ یا ریت کا ایک چیلر میدان ہے جس میں کوئی بارور سایہ دار درخت نہ ہو۔

(نواب محمد الملک مولوی سید مہدی علی خاں)

سوالات

- ۱۔ سفر کس زمان ہے اور اُس کے امتحان کی نیت تم کیا مانتے ہو؟
- ۲۔ عزت حاصل کرنے کے لئے انسان کو کیا کرنا پڑتا ہے؟
- ۳۔ عزت کا اشتقاق کب حاصل ہوتا ہے؟
- ۴۔ انسان کے اپنے خیال بھی باتیں اور اچھے کام کیا کیا نتائج پیدا کرتے ہیں؟
- ۵۔ قوم کے سہیل سے کیا مراد ہے؟

شہرت

شہرت کا خیال کیسا دل خوش کن ہے۔ اس کی آواز کیسی مسرت خیز ہے اس کی تمنا کیسی دلربا ہے۔ کونسا دل ہے جس میں وہ جلوہ گر نہیں اور کونسا داغ ہے جو اس کے نام سے متاثر نہیں۔ شاہ دگر اہیر و غریب سب پر اس کی حکومت یکساں ہے۔ ہر شخص کشادہ پیشانی سے اُن مصائب اور محالیت کا مقابلہ کرنے کو تیار رہتا ہے جو شہرت حاصل کرنے میں اُسے پیش آتے ہیں ہر شخص اس کی آن پر جان دیتا ہے اور ہر شخص کا یہی منشاء خیال ہے۔ بچلے اور بڑے سب اُس کے

جوایاں اور اُس کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔
 وہ شہرِ لڑکا جو اسٹریٹ فورڈ میں ایک اون بننے والے کے گھر
 میں پیدا ہوا تھا اور جس کے نزدیک چوری سے امیروں کے محفوظ
 بنگلوں میں سے ہرن کا شکار کرنا کچھ گناہ ہی نہ تھا۔ لندن میں
 پہونچکر ایک معمولی ایکٹر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ شہرت
 ہی ہے جس نے اُس کو ڈراما نویس کا اُتار۔ شاعر بنے پہلے اور
 ماہرِ تیتال تمام سے منوایا اور ایک معمولی ایکٹر کے درجے سے اُس
 مقام پر پہونچا دیا ہے۔ جہاں آج تک کوئی نہیں پہونچا۔ جو جذبات و
 خیالات اور جو اصلی شاعری اُس کے ناکھوں میں نظر آتی ہے۔ اُس کی
 نظیر کہیں دوسری جگہ نہیں ملتی۔ مگر یہ جو کچھ ہے سب شہرت ہی کا
 کرشمہ سازی ہے۔

وہ معلمِ اول جو اپنے فخرِ زماں استاد سے بھی گوسے سبقت
 لے گیا۔ شہرت ہی کی اداسے نیکیں کا بسمل تھا۔ شہرت نے اُس کو
 ایک غلط انداز سے دیکھا تھا۔ جس کو دیکھکر وہ وارفتہ ہو گیا تھا۔ نہ
 اپنی سفلی کا خیال کیا اور نہ مکالیف و زحمت کا۔ اُس نے غلامی کو
 اُس آزادی پر جو پہلے اُسے میسر تھی ترجیح دی۔ اور وہ کام کر گیا
 جس کا سکہ آج تک دلوں پر جما ہوا ہے۔

وہ سید فلاسفر جس کا نام بچے سے لیکر بوڑھے تک کی زبان پاتا
 جاتا ہے اور جو تمام دنیا میں اپنی حکیمانہ نصیحت اور اخلاقی مسائل
 کے لحاظ سے اپنا آپ ہی نظیر ہے شہرت ہی کی پُرن آنکھوں کا سکا
 ہوکر آسمان بلندی پر آفتاب کی طرح چمکا ہے۔ شہرت ہی اُس کی

سیاحت میں اُس کی ہر کباب رہی ہے۔ اُس کو آگے بڑھنے کے لئے ہمت دلائی رہی ہے۔ اور مکالیف میں اُس کی غمخوار بگر اُس کو خلعت بقا سے دوام عنایت فرمایا ہے۔

وہ ناخدا جس کو مہینوں سمندر کی موجوں کے تھپڑ سے کھاتے گئے تھے ہیں۔ جس کے ساتھی اُس سے بد دل ہیں اور جو خود بھی کبھی کبھی عالم یاس میں پریشان نظر آتا ہے۔ اُس کا دل شہرت ہی بڑھاتی ہے اور اُسی کے خیال میں دنیا مافیہا سے بیخبر ہو گیا ہے اور اسی کے پیچھے وہ اپنے تمام مصائب بھول جاتا ہے۔ اور آخر کار نئی دنیا کا پتہ لگاتا ہے دو شاہزادہ جو اپنی ببادری کے سبب ایک ایسے عظیم الشان شہنشاہ سے جس پر ملک بھر فخر کرتا ہے لڑنے کے لئے میدان جنگ میں آتا ہے۔ اور کبھی ہند میں اور کبھی چین دروس میں اپنے جوہر درآگئی دیکھاتا ہے یہ سب کچھ یہی شہرت اُس سے کراتی ہے اور اُس کو ایک چھوٹے بادشاہ کے درجہ سے ہفت اعظم کا شہنشاہ بنا دیتی ہے۔

وہ سپہ سالار جو میدان میں ہزیمت پر ہزیمت اُٹھاتا رہا ہے کیوں سینہ سپر ہے اور کیوں جان توڑ کر لڑتا ہے۔ اُس لئے کہ شہرت کا خیال اُس کے دل میں ہے اور وہ اُس کو اپنے ہاتھ سے چھوڑنا نہیں چاہتا۔ وہ موجد جو ہر دم نئی ایجاد کی آدھیڑ بن میں رہتا ہے اُسے شہرت ہی اپنے پیارے چہرے کی جھلک دکھاتی رہتی ہے۔ اور اسی حاصل کرنے کے خیال میں وہ وہ ایجادیں کر جاتا ہے کہ بعد مرگ بھی اُس کا نام صفحہ دنیا پر باقی رہ جاتا ہے۔

وہ مصنف جو چاہتا ہے کہ اُس کے بعد اُس کا نام قائم رہے۔

کیسی دماغ سوزی اور جگر کاوسی سے مضامین فراہم کرتا ہے صرف اس لئے کہ شہرت اُس کو حاصل ہو جائے۔

وہ شاعر ہونے مضمون تلاش کر کے لٹا ہے شہرت ہی کے خیال میں مست رہتا ہے اور اسی کو اپنا مٹتا ہے خیال بنا کر آسمان ترقی پر چمکتا ہے۔ اگر وہ پورا شاعر نہیں ہوتا ہے تو کم از کم کسی خاص صفت کو بیکر اُسی میں کمال حاصل کرتا ہے۔

وہ قومی بھلائی کا چاہنے والا جو ہر وقت قومی ترقی کے خیال میں لگن رہتا ہے۔ سچ پوچھو تو اُس کے دل میں شہرت کا جلوہ ہے اور یہی اُس کو قومی بہبودی اور فلاح کے کاموں میں شہک رکھتی ہے۔ میں جہاں تک سمجھتا ہوں شہرت وہ شے ہے کہ سب اُس کی خیال کسی کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے تو وہ پھر نکالنے نہیں نکالتا ہر کام میں خاطر خواہ کامیابی اُسی کی مدد سے ہوتی ہے۔ بلکہ اُس کا خیال ہی کامیابی کی دلیل ہے۔

(محمد یحیٰ تنہا)

سوالات

- ۱۔ شہرت حاصل کرنے کے لئے لوگ مکالمات کو کیوں بکاسی برداشت کرتے ہیں؟
- ۲۔ شہرت نے ولیم شکسپیر کے ساتھ کیا ساوا کیا؟
- ۳۔ معلم آدل کس شخص سے ملو ہے اس کے کچھ حالات تحریر کرو؟
- ۴۔ پیٹرغ فلاسفر سے کون شخص ملو ہے۔ اس نے کیا کیا کیا؟
- ۵۔ کلیمبر کی شہرت کے اسباب تحریر کرو؟
- ۶۔ شاہزادے سے کون بادشاہ مراد ہے؟
- ۷۔ سالار۔ سومرہ مصنف۔ شاعر اور قومی بھلائی کا چاہنے والا کس غرض سے کیا کیا کرتا ہے؟

سچی مسرت

مسرت نہ روپیہ ہے نہ پیسہ ہے نہ عالی شان قصر و ایوان ہیں
 نہ خدم و حشم ہیں نہ حکومت و سطوت ہے۔ اس لئے کہ اگر ان چیزوں
 سے حقیقی مسرت حاصل ہوتی تو ہم کسی بادشاہ و امیر کو طول و آسرا
 نہ پاتے اور ان کے دل میں اور ان کے اس امیرانہ بلکہ شاہانہ دھوم
 دھام میں بچ پوچھے تو ہمارے غموں سے بڑے غم اور ہماری حسرتوں
 سے زیادہ حسرتیں موجود ہیں جس طرح ایک کو ہشتابی سلسلہ دور ہے
 تمہیں نہایت سطح پر فضا اور دلچسپ معلوم ہوتا اور نزدیک سے
 خاکے دیکھو تو اتنا سے زیادہ غیر مستطیع بہت ہی پڑ خطرہ اور حوش
 ناک نظر آتا ہے اسی طرح اسے غریبی کی زندگی بسر کرنے والی
 امیروں اور بادشاہوں کی سطوت و حشمت اور ان کے عالی شان قصر
 و ایوان تمہیں دور ہی سے عشرت و مسرت کے نامن نظر آتے ہیں
 مگر ان کے قریب جا کے خود ان کی جگہ پر کھڑے ہو کے اور ان کی
 اصلی حالت کا اندازہ کر کے غور کرو تو صاف دیکھ لو گے کہ خوشی اور
 مسرت ان کے اس وسیع اور بڑے شانے میں تم سے بھی کم اور
 بہت ہی کم ہے۔

اسی نوعی ایک دلچسپ خیال سے عبارت ہے جو اکثر افسانہ
 میں زیادہ ہوتا ہے جس میں خواہشیں کم ہیں۔ جس قدر تم اپنی ضرورتوں
 کا دائرہ تنگ کرتے جاؤ گے اسی قدر تمہاری مسرت بڑھتی جائیگی
 جس سے بڑے بڑے اور نہایت ہی عالی مرتبہ اور صاحب حکومت

امیروں کو اونٹن بطع کے مزدور مل اور مزدور نیوں پر حسد کرتے دیکھا ہے۔ یہ معمولی درجے کے لوگ جنہیں تم اپنے فضول اور بہبود غرور سے اونٹن اور کتہ اور حقیر اور ذلیل خیال کرتے ہو اُن کی حالت کا جب اندازہ کرو گے تو عام طمع پر انہیں اپنے سے زیادہ خوش پاؤ گے۔ سعدی کے کلام میں اس بادشاہ بنجانے والے فقیر کا یہ جملہ کہ آں دم غم نالے بود و اکنون غم جہاںے آں آبِ نہ سے کہنے کے قابل ہے اِن غریبوں کو غلط اتنی فکر ہے کہ قوتِ لاموت کے لئے دن بھر میں کچھ پیسے فراہم کر لیں جن کے حاصل کرنے کی کوشش میں وہ ہر قسم کی محنت کرنے کو آمادہ ہو جاتے ہیں۔ پھر اس محنت کے بعد جب شام کو اپنے بی بی بچوں میں آ کے بیٹھتے ہیں تو اُسے زیادہ مسرور اور خوشحال کوئی نہیں ہوتا۔ اُن کی محنت اُن میں رات کے آرام کی قدر پیدا کرتی ہے اور اُس محنت کا حاصل کیا ہوا مختصر سرمایہ اُن کی فکریں دور کر دیتا ہے۔ اور یہ دونوں ایسی برکتیں ہیں جن کی بدولت روزِ شام کو انہیں وہ اطمینان اور قایغِ الہامی اور وہ خوشی وہ غمگینی حاصل ہو جاتی ہے جو اُن سے زیادہ استطاعت رکھنے والوں کو کبھی زندگی بھر نہیں نصیب ہوتی۔

اِن لوگوں کی حالت دیکھ کر تمہیں عجوبہ سبق مل سکتا ہے کہ اگر تم بھی اپنی فکریں محدود اپنی ضرورتیں کم اپنی خواہشیں دل سے نکال دو گے تو تمہیں بھی اہل غمگینی حاصل ہو جاوے گی۔ اس لئے اگر تمہیں حقیقت میں خوشی و مسرت کی تلاش ہے تو اسی عمارت

کے محل۔ سلطنت کے دربار اور ظاہری عیش و عشرت کی صحبتوں میں نہ ڈھونڈ سکو۔ بلکہ اُسے غریب کے جھوپڑے میں جا کے تلاش کرو۔ وہ وہیں لیگی۔ اور اکثر وہیں رہتی ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ خدا کے خزانے میں خوشی کی کمی نہیں وہ وہاں کثرت سے موجود ہے۔ اور ہمیں کثرت سے مل سکتی ہے مگر خرابی یہ ہے کہ ہم میں سے اکثر لوگ اپنی ناسمجھی اور غلط خیال سے اُسے ٹھیک جگہ جا کے نہیں ڈھونڈ سکتے۔ اُن کے دھوکا دینے کے لئے دنیا والوں نے شہوت پرستی کی صحبت کا نام محفلِ عیش رکھ دیا ہے۔ اکثر دُور کے خیال میں بسی ہوئی ہے۔ کہ خوشی صرف ناز و نعمت کے قصروں۔ دو تھنری و تکنت کے محلوں۔ اور حکومت و سطوت کے ایمانوں میں رہتی ہے۔ اور وہیں اُس کے ڈھونڈ سنے کو وہ جاتے بھی ہیں جس کی بدولت طرح طرح کی ذلتیں اُٹھانے ہیں مغلوب و مقہور ہوتے ہیں۔ جھوٹ بولنے اور خوشام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور ان سب خرابیوں اور تباہیوں کے برواشت کرنے کے بعد غور کرتے ہیں تو اپنے دل میں خوشی کا نام و نشان بھی نہیں پاتے۔ اس غلط راستے کو چھوڑ کے اگر غربت کے جھوپڑوں اور بیکری کے چھپرے دل کے نیچے دیکھیں تو وہ نعل بے بہا ضرور ہاتھ آجائیگا جس کے لئے اُنھوں نے دنیا کے بڑے بڑے عالموں کو محل اور زبردست قلعے چھان مارے تھے۔

انسان جس وقت اور جتنی دُفعہ اپنے دل میں یہ کہتا ہے کہ ”چیز مٹنی چاہئے“ اسی وقت اتنی ہی دُفعہ ایک فکر اور اُس کے

ساتھ ہی ایک غم اپنے لئے پیدا کر لیتا ہے۔ اگر یہ نہ کہے اور اس جگہ کے خیال سے اپنے دل کو بچائے تو بہت ہی جلد غم سامنے سے بھاگ جائے اور وہ خوشی مل جائے جسے تباہی اور پریشانی کے ساتھ دلچسپ اٹھا اٹھا کے ہر طرف ڈھونڈھتا پھرتا ہے۔

لیگ کہتے ہیں اور عام طور پر مشہور ہے کہ پیٹ کے لئے انسان ذلیل ہوتا ہے اور اسی کی وجہ سے کبھی اطمینان نہیں نصیب ہونے پاتا۔ مگر غور سے دیکھو تو جسطرح سہل الوصول قوت لایموت ہے کوئی چیز نہیں خدائے چوگنہ یہ ایک لازمی خواہش انسان میں پیدا کی ہے اسی وجہ سے اُس کے دور ہونے اور بھوک کی ضرورت رفع ہونے کا جتنا سامان خدائے پیدا کر دیا ہے اور کسی چیز کا نہیں ہے پیٹ کا دوزخ بھرنے کی خواہش پوری کرنے کے لئے ساری دنیا اوان نعمت کا ایک پر تکلف خواں بنی ہوئی ہے اگر چاہو تو قدم قدم پر پیٹ بھر سکتے ہو۔ بہت تھوڑی محنت اور بالکل معمولی درجے کی زحمت اس کے لئے بخوبی کافی ہو سکتی ہے غریب اور امیر اور بادشاہ و وزیر کے روزانہ مصارف پر نظر ڈالو تو حیرت سے دیکھو گے کہ سب سے کم خرچ اسی چیز میں ہوا جو صرف پیٹ بھرنے اور بھوک کی آگ بجھانے کے لئے نکلا۔

تمہیں ذلیل کرنے والی اور زیادہ پریشان و سرگرداں بنانے والی عموماً وہی خواہشیں ہیں جن کو اس نظری تقاضے یعنی بھوک سے علاوہ نہیں۔ بلکہ وہی خواہشیں ہیں۔ جن کو تم نے اپنی ہوس پرستیوں کے لئے خود ہی تصنیف کر لیا ہے۔ ان سے پیچھا چھڑاؤ۔ ان کو

دل سے بھلاؤ اور دیکھو کہ سچی مسرت اور بے غل و غش خوشی تمھارے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی ہے۔
(مشر)

سوالات

- ۱۔ مسرت سے کیا چیز مراد ہے اور وہ کب حاصل ہوتی ہے۔؟
- ۲۔ اصلی خوشی حاصل ہونے کے لئے کیا شرائط ہیں۔؟
- ۳۔ اگر ہم اپنی فکر پر کو محدود اور ضرورتوں کو کم کر دیں تو کیا نتیجہ ہو۔؟
- ۴۔ ثابت کرو کہ خوشی کی کمی کے سبب ہم خود پیدا کر دیتے ہیں۔؟
- ۵۔ فکر و غم کے سبب کیا ہیں۔؟
- ۶۔ ثابت کرو کہ قوت لایوت سہل الوصول ہے۔؟
- ۷۔ ہوس پرستی چھوڑنے سے کیا کیا فائدے مرتب ہو سکتے ہیں۔؟

خطوط از موعظۃ حسنہ

خط فارسی تمھارا پہونچا میں تنکو خود چند بار فارسی کی طر متوجہ کر چکا ہوں۔ اس میں کیا شک ہے کہ اردو سے فارسی بھارج بہتر ہے۔ اتنی بات سمجھ لو کہ انگریزی۔ عربی۔ فارسی۔ یہ سب دوسرے ملکوں کی زلفیں ہیں، تنکو بلحاظ معاشرۃ اردو کے علاوہ کوئی دوسری زبان درکار نہیں۔ لیکن اردو ابھی حالت طفل میں ہے۔ یعنی مرن ڈھانی تین سو برس اس کو پیدا ہوئے گذرے ہونگے۔ میر تقی۔ اور سودا کے اشعار میں بھی بہت سے الفاظ عجیب پائے جاتے ہیں۔ جو اب مرہوک و مہجور ہیں۔ جیسے جاگہ بجائے جگہ۔ سنی بجائے سے۔ انیاں بجائے انیس وغیرہ۔ شروع میں بھاکا کے الفاظ اردو میں اس کثرت سے تھے کہ اجرائی لکھو کا ایک جملہ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ سب سے پہلا

اُردو کا شاعر یعنی ریختہ گو دلی تھا۔ اُس کے اشعار سنو تو ہنستے ہنستے
 ٹوٹ جاؤ۔ لیکن یوں فیوفا اُردو کی تہذیب ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ
 میر تقی نے ایسا ریختہ کہا کہ فارسی کو مات کیا۔ سودا اُٹکا، معصوم
 تھا۔ ناں بعد تاسع و آتش کا زمانہ ہوا تو ان کی بولی اور بھی صاف
 ہے۔ اب آخر میں شیخ محمد ابراہیم ذوق۔ حکیم مومن۔ میرزا غالب
 اور دبیر و انیس کھنوی نے اُردو کو تو خوب رونق دی۔ انگریز
 بھی کبھی کبھی کچھ توجہ کرتے ہیں۔ کہ اُردو کو رونق ہو۔ مگر یہ سیکڑوں
 برس کے کام ہیں۔ غرض اُردو میں افسوس ہے کہ علم نہیں اور بولی
 ٹھولی کا بھی وہ لطف نہیں جو عربی فارسی میں ہے۔

بشیر۔ عربی کا جب تکو مرہٹے گا تو یقین و باور کرو آدمی پر
 وجد، کیفیت طاری ہو ہو جاتی ہے۔ مفتی صدر الدین خاں مرحوم
 کو میں نے دیکھا کہ باہیں وقار مجمعِ امتحان میں انگریزوں کے روبرو
 گانے گاتے تھے۔ علم اور لطفِ زبان کی جست و جو میں ہم دوسری
 زبانوں کے حاجت مند ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ نئی اُردو سے کام نہیں
 چلتا۔ اور چار و ناچار دوسری زبان سیکھنی پڑتی ہے۔

اب دوسری زبان کونسی اختیار کی جائے جس کے ذریعے سے
 علم حاصل ہو اور بولی کا مزہ ملے۔ سو برہم دار وہ زبان انگریزی
 ہے۔ کلام الملک ملوک، کلام ربابشاہ کا کلام کلام کا بادشاہ ہوتا
 ہے، انگریزوں کی جست و جو انگریزوں کی تلاش و محنت اس
 درجے کی ہے کہ کسی قوم نے اس صفت میں ان کی ہمسری نہیں
 کی۔ اب انگریزی کا یہ حال ہے کہ گنجینہ، ہرم ہے پونہلی اور عربی

اور عبرانی اور سنسکرت اور لیٹن وغیرہ میں جو ذخیرے تھے انگریزوں نے سب اپنی زبان میں جمع کر لئے۔ اب یہ عجیب بات دیکھی جاتی ہے کہ اہل زبان میں ان علوم کا پتہ نہیں مثلاً جبر و مقابلہ اور اہل عربی میں تقاسم کا نام الجبر اسکا گواہ ہے۔ انگریزوں میں کوڑیوں جبر و مقابلہ ہیں۔ عربی میں محلو تو آج تک کوئی رسالہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اور غالب ہے کہ مصر و روم میں بھی ہونگے تو اب انگریزی کتابوں کے قریب ہونگے اہل کتاب میں معدوم اور مفقود۔

اس سے قطع نظر انگریزی زبان حکام وقت ہے اگر اس میں علوم نہ بھی ہوتے تو اس کا زبان حکام وقت ہونا کافی تھا کیونکہ اس صورت میں وہ ذریعہ رسائی ہے۔ غرض جس جس پہلو سے دیکھا جاتا ہے سب سے مقدم انگریزی اس کے بعد عربی۔ اس لئے کہ وہ کلاسل ہے۔ فصاحت اور بلاغت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ سب کے بعد فارسی وہ بھی اس وجہ سے کہ ہماری اردو میں فارسی کی ترکیبیں بہت ہیں۔ اور فارسی کے بدوں تکمیل اردو ممکن نہیں حاصل کلام فارسی کو اتنا دیکھو کہ اہل مطلب فوت نہو۔ یہ کون کہ فارسی کچھ نہیں۔ کسی چیز کا جان لینا اس کے نہ جاننے سے بہتر ہے اگر کسی کو موقع ملے تو اس کو سنسکرت اور ترکی اور پشتو اور چینی زبانوں کا سیکھنا تفسیح وقت سے بہتر ہے۔ تم تکمیل انگریزی پر اپنی تمام بھٹ صرف کرو فارسی کو ہود و لب کے عوض رکھو لیکن فارسی میں ہزاروں الفاظ عربی کے ہیں ان کو نظر انداز

مت کرو۔ تحقیق عجب چیز ہے۔ جو کرو تحقیق کے ساتھ کرو۔
اصلاح کے متعلق یہ بات ہے کہ مہدی مثل اس لڑکے کے ہے
جو چلنا سیکھتا ہے اور اصلاح دہندہ اس کو چلنا سکھاتا ہے ہم لوگ
بچوں کو انگلی پکڑا دیتے ہیں۔ لیکن چلنے کا سارا بوجھ لڑکے پر ڈالتے
ہیں۔ مگر فرض کرو کہ بجائے انگلی پکڑا دینے کے ہم لڑکے کو بٹاؤ
اور خود ساری عبارت لکھ دیں تو اس سے مہدی کو کچھ فہم نہیں
بڑی اصلاح شوق ہے۔ جی کو لگی ہوتی ہے تو آدمی وہ نکالے
ہے جو استاد کو نہ سوجھے۔

بشیر! اگر تم چار پانچ برس لگ پٹ کر محنت کر ڈالو تو کچھ بات
نہیں۔ پھر انشاء اللہ تھوڑے ساڑھے عمر اس محنت کا فائدہ اٹھایا
کر دے گے۔ میں نے جس بے سرو سامانی سے پڑھا تمہاری ماں اس کی
گراہ ہیں۔ انہیں سے پوچھو کہ مجھ کو اطمینان سے ٹوٹا حرام تھا
یہ محنت ایک جلد ہو گئی اور خدا نے مجھ کو افلاس اور بے توقیری
کے عذاب سے نجات دی۔ تم بھی تو کبھی اپنی حالت کو میری اس
حالت سے مقابلہ کیا کرو۔ اب جو میں شست اور کال ہو گیا ہوں
تو اس وجہ سے کہ کوئی اختیاری تدبیر باقی نہیں رہی اس چہری
میں بھی میری کتاب مینی جوان ہے۔ بار بار امتحان و کالی کو جی
لگاتا ہے لیکن بیٹا برس کی خدمت اور تعزیر پر نظر کر کے ہشت
قصور کرتی ہے۔ اب جو مجھ سے رہ گیا ہے تم کرو۔ (س) اگر پدر
نخواند پس تمام کند + انگریزی کا انتظام ابھی خاطر خواہ تم نے
نہیں کیا۔ مگر امر کے قواعد مستحفظ ہوں۔ اور جو پڑھو سو از ہر

اصلاح دینے والا کوئی آدمی با استعداد ہو۔ اور ہر وقت ایک دُھن لگی رہے۔ تب جانو کہ انگریزی آئی۔ اور انگریزی کی کیا تخصیص ہے ہر علم کا یہی حال ہے۔

زندہ احمد دہلوی ۱۲ مارچ ۱۹۶۹ء

سوالات

- ۱۔ ائمہ ربیع کی عمر کب سے شمار کی جاتی ہے اس کے مشہور شعرا اور مترکان کا کچھ ذکر کرو۔
- ۲۔ عرب کا مزد کب آ سکتا ہے؟
- ۳۔ انگریزی زبان کے حلق معنی نے اپنے خیالات کیا ظاہر کئے ہیں؟
- ۴۔ انگریزی تمام زبانوں سے مقدم کیوں خیال کی جاتی ہے؟
- ۵۔ عربی اور فارسی کی کس قدر ضرورت ہے؟
- ۶۔ اصلاح سے کیا مراد ہے؟
- ۷۔ معنی نے بشیر کو کس طرح پڑھنے کی ہدایت کی ہے اور اپنے پڑھنے کا حال کس طور پر بیان کیا ہے؟

خط ۲۔

نبوی صاحب کو بعد سلام کے معلوم ہو۔ یہ بھی دنیا کا دستور قرار پا گیا ہے کہ جب کسی کا کوئی عزیز قریب مرجاتا ہے تو اس کی ماتم پڑی کیا کرتے ہیں۔ میں شکو یہ خط اس دستور کے مطابق نہیں لکھتا۔ کیونکہ مصیبت تنہا تم پر نہیں مجھ پر بھی ہے۔ میاں بی بی کا عجب رشتہ ہے کہ مرد و عورت کھلے ہو جانے سے دنیا کی سب چیزوں میں شریک ہو جاتے ہیں۔ یہ بات کسی اور رشتہ میں نہیں پائی جاتی۔ سیرا تمھارا مل مشوک۔ گھر مشوک۔ کھانا پینا مشوک۔ اولاد مشوک۔ آبرو مشوک۔ بیچ و غم مشوک۔ اگر وہ وہی جیتی تو کیا تمھاری

اکیلے کی بیٹی ہوتی نہیں میری تمھاری دونوں کی۔ بس اگر مرگئی تو کیا تمھاری اکیلے کی بیٹی مری۔ نہیں۔ میری تمھاری دونوں کی۔ پھر۔ مہی میں اس کو تسلیم کرتا ہوں کہ تم کو اس سے بڑا قوی تعلق تھا۔ لیکن روحانی تعلق کی وجہ سے شاید جس دن وہ مری ہے میرا دل خود بخود بیقرار تھا۔ اور میں نے اُسی گھبراہٹ میں میاں بشیر کو خط بھی لکھا۔ تاریخ ملا کر دیکھو۔ غالب ہے کہ خط کی تاریخ اور اس کے مرنے کی تاریخ ایک ہوگی۔

خلیل۔ نصیر وغیرہ کے مرنے سے یہ تو بخوبی تجربہ کر چکے کہ موت پر انسان کا کچھ اختیار نہیں چلتا۔ رہا رنج وہ بھی رفتہ رفتہ کم ہو جاتا ہے۔ میں تپہ الزام نہیں لگاتا۔ اپنا حال بیان کرتا ہوں کہ نصیر کو کس قدر پیار کرتا تھا۔ اس کی قبر میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور میں سوتا بھی ہوں ہنستا ہوتا بھی ہوں۔ دنیا کا کوئی کام مجھے نہیں چھوٹا۔ تو جب خلیل نصیر کے رنج کو ہم نے چند سال میں بھلا دیا تو یہ دل کی بیچاری کے دن کی تھی۔ آخر پھر دنیا اور دنیا کے کام۔ کتابوں میں بہت ٹھیک لکھا ہے کہ فانا اور احمق صبر دونوں کرتے ہیں۔ مگر فرق اتنا ہوتا ہے کہ احمق رُو توھو کر چپ کرتا ہے اور دنیا شروع سے خدا پر نظر کر کے چپ ہو رہتا ہے۔

غرض صبر تو آخر کرنا پڑیگا۔ پس کیا فائدہ کہ اپنا ثواب ضائع کریں۔ دل کو مضبوط کر آہو پونچھ سنبھل بیٹھو۔ خدا ہمارا مالک ہے۔ اس نے دیا۔ اس نے دیا۔ خدا کو ہنسے عداوت نہیں۔ بیڑ نہیں۔ جو کچھ کرتا ہے ہمارے نفع کے لئے کرتا ہے۔ لیکن اپنی کم فہمی کی

وہ سے ہم ان مصلحتوں کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ دنیا کے انتظام پر نظر کرو۔ تو تندرستی۔ مال۔ اولاد و حکومت۔ شرافت۔ و عبادت۔ ہزاروں طرح کی نعمتیں ہیں اور یہ نعمتیں خداوند کریم نے اپنی مرضی کے مطابق لوگوں میں تقسیم کی ہیں۔ ہرکو بھی اُس نے اپنی رحمتوں میں سے بہت بڑا حصہ عطا فرمایا ہے۔ تو کیا ہم ٹھیکہ دار ہیں کہ خدا کی سب نعمتیں اپنے گھر میں گھسیٹ کر بھر لیں۔ اور پھر اولاد سے بھی خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے محروم نہیں۔ ان کی عمروں میں خدا برکت دے۔ ان کو دین و دنیا کی فلاح ہو۔ کافی ہیں۔ اب زیادہ اولاد لیکر کیا کروگی۔ انہیں پر اپنی محبت صرفت کرو۔ ان کے حق میں خدا سے دعا نہیں مانگو۔ اور مصیبت پر صبر کرو کہ خدا کی مرضی۔ شاید عاقبت میں انہیں مصیبتوں کے طفیل سے ہم پر رحم ہو۔ کسی استاذ کا کیا اچھا قطعہ ہے

قسمت کیا ہر ایک کو قسم اللہ نے جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا بیل کو دیا نالہ تو پروا لے کو جلتا غم ہکو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا اسے خدا ہکو صبر جمیل کی توفیق دے۔ آدمی کو چاہئے کہ جب اس پر کوئی مصیبت نازل ہو دوسرے بندگان خدا کے حال پر نظر کرے وہ پائیگا کہ ہزاروں آدمی اس سے بدتر حالت میں مبتلا ہیں۔ بڑی ناشکری کی بات ہے کہ ہم لوگوں احسان اور چھکڑوں سلوک بھول جائیں اور تنگ بھر رنج کی برداشت کریں۔ بشیر چاہئے۔ تنکو روتے دیکھ کر سہا جاتا ہوگا۔ اس کے حال پر رحم کرو۔ اپنے حال پر رحم کرو کہ کیا تمھاری حالت ہو گئی ہے۔ آخر یہ کاتب

خانگی سید سکندر تو نہیں ہے۔ اسی طرح رنجوں کے مانسے اس کو
تحلیل کر ڈالوگی تو کیا انجام ہوگا۔ (نذیر احمد دہلی - ۴ جون ۱۹۸۷ء)

سوالات

- ۱۔ اولاد کی صحبت میں والدین کی شرکت معصفت نے کس طرح سے ظاہر کی ہے۔؟
- ۲۔ معصفت نے موت پر انسان کے پہ قابو ہونے کی نسبت کیا ذکر کیا ہے۔؟
- ۳۔ مہر کے لئے معصفت نے کس طریقے سے ہدایت کی ہے۔؟
- ۴۔ مہر کے لئے معصفت نے خدا سے کیا دعا مانگی ہے۔؟

رقعات غالب

بنام منشی ہر گوبال صاحب تفتہ

صاحب! کیوں مجھے یاد کیا کیوں خط لکھنے کی تکلیف اٹھائی
پھر یہ لکھتا ہوں کہ خدا تمکو جیتا رکھے کہ تمہارے خط میں مولوی
قمر الدین خاں کا سلام بھی آیا اور بھائی فشتی بنی بخش کی خیر
و عافیت بھی معلوم ہوئی۔ وہ تو پیشین کی ہر میں تھے۔ ظاہراً
یوں مناسب دیکھا ہوگا کہ لوکری کی عوامش کی حق تعالیٰ جو انکی
مراہ ہو برلاوے۔ ان کو میرا سلام کہدینا بلکہ یہ رقعہ پڑھوا دینا
مولوی قمر الدین خاں کو بھی سلام کہنا۔ تم اپنے کلام کے نتیجے میں
پرسش کیوں کرتے ہو چار جزو ہوں تو بیسٹل جزو ہوں تو
بے تکلف بھیج دو۔ میں شاعر سخن سنچ اب نہیں رہا صرف سخن
فہم رہ گیا ہوں بوڑھے پسنوان کی طرح بیچ بتا سنے کی گوں کا ہوں
بناوٹ نہ سمجھنا۔ شعر کہنا مجھ سے بالکل چھوٹ گیا۔ اپنا اکلا کلام
دیکھ کر حیران رہ جاتا ہوں۔ کہ یہ میں نے کیونکر کہا تھا۔ قصہ مختصر

دہ اجزا جلد بھیج دو۔ (فالب کیشنبہ - ۳۰ اپریل ۱۹۳۸ء)

سوالات

۱۔ مختلف ۷۰ اپنے آپ کو بوڑھا پہنوں کیوں بیان کیا ہے؟

ایضاً

۲۔ مرزا تغتہ! مرے گلے لگ جاؤ۔ بیٹھو میری حقیقت سنو۔ کیشنبہ کو جو مولوی منظر الحق آئے تھے۔ اُن سے سب حال معلوم ہوا۔ پہلا خط لکھو اُن کے بھائی مولوی انوار الحق نے بموجب حکم ریگنٹن صاحب کے لکھا تھا۔ پھر ایک خط صاحب نے آپ مسودہ کر کے اپنی طرف سے لکھو لکھا دونوں دیوان تمھارے۔ لکھتے عشق۔ اور تذکرہ۔ اور یہ چار کتابیں تمھاری بھیجی ہوئی اُن کو پہنچیں۔ صاحب تم سے بہت خوش اور تمھارے بہت مستفاد ہیں کہتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں اتنا بڑا شاعر کوئی اور ہندوستان میں نہ ہوگا۔ کہ جو پچاس ہزار بیت کا مالک ہو۔ فاروق اس التفات کا یہ کہ تمھارا ذکر بہت اچھی طرح لکھیں گے باقی مابغیر شام بسلامت غلط

(نجان کا طالب فالب)

سوالات

۱۔ گلے لگ جاؤ اور بیٹھو کیا مراد ہے؟
۲۔ پچاس ہزار بیت کا مالک کس سے مراد ہے۔ اور اسکا ذکر کیوں کیا گیا ہے؟

بنام قاضی عبدالجلیل صاحب

جناب مولوی صاحب! آپ کے دونوں خط پہنچنے میں زندہ ہوں لیکن نیم مرقہ۔ آٹھ پر پڑا رہتا ہوں۔ اصل صاحب فراش ہوں۔ بیٹل دن سے پاؤں پر درم ہو گیا ہے۔ کت پا و پشت پا

سے فوج گد کر پڑی تک آس ہے۔ جوئے میں پاؤں سماتا نہیں۔
 بول و براد کے واسطے اٹھنا و شور بہ سب باتیں ایک طرف دوا محفل
 رخص ہے۔ ششہ میں میرا نہ مرنا صرف میری تکذیب کے واسطے تھا
 مگر اس قین برس میں ہر روز مرگو نو کا مزا چکھتا ہوں۔ حیران ہوں
 کہ کوئی صدف زیت کی نہیں پھر کیوں جیتا ہوں۔ روض میرے
 جسم میں اس طرح گھبراتے ہیں جس طرح طائر قفس میں۔ کوئی شغل
 کوئی اختلاط۔ کوئی جلسہ۔ کوئی مجمع پسند نہیں۔ کتاب سے نفرت شعر
 سے نفرت۔ جسم سے نفرت۔ روح سے نفرت۔ یہ جو لکھا ہے بے باطن
 اور بیان واقع۔ مہر عہ شرم آرزو کریں منزل ویراں بروم +
 ایسے غمضہ میں اگر تھر تھر جواب میں قاصر رہوں تو معاف ہوں مجھے
 کیوں شرمندہ کیا۔ میں اس ثنا و دعا کے قابل نہیں ہوں۔ مگر چوں
 کا شیوہ ہے بڑوں کو اچھا کہنا۔ اس معہ گسٹری کے عوض میں
 آداب بجا لاتا ہوں۔

سوالات

۱۔ مرزا نے اپنی حالت کیا ظاہر کی ہے۔ ۲۔ اور دعا و ثنا کی سعادت کیا کی ہے۔ ۳۔

پتنام مرزا علاؤ الدین خاں صاحب

سنو عالم دو ہیں ایک عالم ادراج اور ایک عالم آب و گل
 عالم ان دونوں عالموں کا وہ ایک ہے جو خود فرماتا ہے من الملک الملک
 اور پھر آپ جواب دیتا ہے بعد الواحد انقار۔ ہر چند قاعدہ عام
 یہ ہے کہ عالم آب و گل کے مجرم عالم ادراج میں سزا پاتے ہیں
 چنانچہ ۸۔ رجب ۱۲۱۳ کو مجھ کو رد بکاسی کے واسطے بنایا بیجا۔

۱۳ برس حالات میں رہا۔ ۱۷۔ رجب ۱۲۲۵ھ کو میرے واسطے حکم
 جس دوا م صادر ہوا۔ ایک بیڑی میرے پانوں میں ڈال دی۔ اور دلی
 شہر کو زنداں مقرر کیا اور مجھے اُس زنداں میں ڈال دیا۔ نظم و نثر کو
 مشقت ٹھہرایا۔ برسوں کے بعد جب میں جیل خانے میں سے ابھا گا۔
 تین برس بلا مشقت میں پڑا رہا۔ پایاں کا رنجھے کلمتہ سے پکڑ لائے
 اور پھر اُسی محبس میں بٹھا دیا جب دیکھا کہ یہ قیدی گریز یا ہے
 دو ہتکڑیاں اور بڑھادیں پانوں بیڑی سے نکلار۔ ہاتھ ہتکڑیوں سے
 رخسار مشقت مقرر اور مشکلی ہو گئی طاقت کی قلم زائل ہو گئی۔
 بیجا ہوں۔ سال گذشتہ بیڑی کو زاویہ زنداں میں چھوڑ مع دونوں
 ہتکڑیوں کے بھاگا۔ میرے مراد آباد ہوتا ہوا رامپور پہنچا۔ پٹھ
 دن کم دو مہینے وہاں رہا تھا کہ پھر کھڑ آیا۔ اب عند کیا کہ پھر
 نہ بھاگونگا۔ بھاگوں کیا بھاگنے کی طاقت بھی تو نہی۔ حکم رہائی
 دیکھے کب صادر ہو۔ ایک ضعیف سا احتمال ہے کہ اس ماہ
 ذی الحجہ ۱۲۲۵ھ میں چھوٹ جاؤں بہر تقدیر بعد رہائی کے تو
 آدمی سوائے اپنے گھر کے اور کہیں نہیں جاتا میں بھی بعد نجات
 سیدھا عالم ارواح کو چلا جاؤنگا۔ شہر

فتح آن روز کہ از خانہ زنداں برفم سوسہ شہر خود انہی وادی ویاں بزم

سوالات

- ۱۔ عالم ارواح اور عالم آب و گل سے کیا مراد ہے؟
- ۲۔ مصنف نے دنیا کو اپنے لئے قید خانہ اور کاروبار کو مشقت کیوں بیان کیا ہے؟
- ۳۔ مصنف نے اپنی میت کو قید سے رہائی پانے کے اسلوب میں کیوں ظاہر کیا ہے؟

بنام نواب انوار الدولہ سعید الدین خاں صاحب

ہرگز نہ وہ آنکھ دلش زندہ شد بعشق بشت است بر جریۃ عالم دوام ما
خداوند نعمت آج دوشنبہ ۴۔ رمضان کی اور ۱۵۔ فروری کی ہے۔
اس وقت کہ بارہ ہر تین بجے ہیں عطوفت نامہ پہونچا اور پڑھا اور
جواب لکھا۔ ڈاک کا وقت نہ خط کو معنوں کر رکھتا ہوں۔ کل شنبہ
۱۴۔ فروری کو ڈاک میں بھجوا دوں گا۔ سال گذشتہ مجھے بہت سخت گزارا
بارہ تیرہ مہینے صاحب فراش رہا۔ آٹھنا دشوار تھا۔ چلنا پھرنا کیسا؟
نہ تپ نہ کھانسی نہ اسہال نہ فارغ نہ لقوہ۔ ان سب سے بدتر۔
ایک صورت پر کدورت یعنی احتراق کا مرض۔ مخمیریہ کہ سر سے پاؤں
تک بارہ پھوٹے ہر پھوٹا ایک زخم ایک خار۔ ہر روز بے مبالغہ
بارہ تیرہ پھاسے۔ اور پاؤں بھر مرہم درکار تو دن مینے بیخو و خواب
رہا ہوں۔ اور شب و روز بیتاب۔ راتیں یوں گزری ہیں کہ اگر کبھی
آنکھ لگ گئی۔ دو گھڑی غافل رہا ہونگا کہ ایک آدمہ پھوڑ میں
ٹپس اٹھی۔ جاگ اٹھا۔ تڑپا کیا۔ پھر سو گیا۔ پھر ہوشیار ہو گیا سال بھر
میں سے تین حصے دن یوں گزرے۔ پھر تخفیف ہوتے لگی۔ دو تین
مہینے میں لوٹ پوٹ کر اچھا ہو گیا۔ نئے سرے روح قالب میں آئی۔
اجل نے میری سخت جانی کی قسم کھائی۔ اب اگرچہ مندرست ہوں۔
لیکن ناتواں و سست ہوں حواس کھو بیٹھا حافظہ کو رو بیٹھا اگر
آٹھتا ہوں تو اتنی دیر میں آٹھتا ہوں کہ جتنی دیر میں ایک قدر
آدم دیوار اٹھے۔ آپ کی پرسش کے کیوں نہ قربان جاؤں کہ جب تک
سیا مانا نہ سنا خبر نہ لی۔ میرے مرگ کی خبر کی تقریر اور مثلاً میری یہ

تحریر آدمی سچ اور آدھی جھوٹ در صورت مرگ نیم مرده اور در حالت
حیات نیم زندہ ہوں ۵
در کشاکش نصف نگسلہ روں از تن اینکہ من غمی میم ہم زنا تو ایناست
اگر ان سطور کی نقل میسے کر مفرما مولوی غلام غوث خان صاحب
بہادر میسر نشی لفٹنٹ گورنری غرب و شمال کے پاس بھیج دیجئے تو انکو
خوش اور مجکو ممنون کیجئے گا۔

سوالات

- ۱۔ مصنف نے اپنی ملاک کا حال کیا کیا لکھا ہے۔؟
- ۲۔ مرزا کو بیماری سے کیا کیا نقصانات پہونچے۔؟

بنام خواجہ غلام غوث خاں بہادر بنیجر

جناب عالی! آج دو شنبہ ۳۰۔ جنوری ۱۳۵۷ھ کی ہے۔ پندرہ دن
چڑھا ہوگا کہ ابر گھیر رہا ہے۔ ترشع ہو رہا ہے۔ ہوا سرد چل رہی
ہے پینے کو کچھ میسر نہیں ناچار روٹ کھاتی ہے۔ غمزدہ درد مند بیٹھا
تھا کہ ڈاک کا ہرکارہ تمہارا خط لایا سرنامہ کو دیکھ کر اس راہ سے
کہ دستخط خاص کا لکھا ہوا ہے بہت خوش ہوا خط کو پڑھ کر اس
رو سے کہ حصول مدعا کے ذکر پر حاوی نہ تھا افسردگی حاصل ہوئی۔
اس افسردگی میں جی چاہا کہ حضرت سے باتیں کروں۔ با آنکہ خط جواب طلب
نہ تھا۔ جواب لکھنے لگا پہلے تو یہ سنئے کہ آپ کے دوست کو آپکا خط
پہونچ گیا مگر وہ دوبار مجھکو لکھ چکا ہے کہ میں جواب اسکا نشان
موقوفہ لغافہ کے مطابق ڈاک میں بھیج چکا ہوں جواب جواب کا
منتظر ہوں آپ جانتے ہیں کہ کمال یاس مستحبی استغنا ہے پس اب

اس سے زیادہ یاس کیا ہوگی کہ بامید مرگ جیتا ہوں اس راہ سے کچھ
مستغنی ہوتا چلا ہوں تو ڈھائی برس کی زندگی اور ہے ہر طرح گذر
جائیگی جانتا ہوں کہ تنکو ہنسی آئیگی کہ یہ کیا کہتا ہے مرنے کا زمانہ
کون بتا سکتا ہے چاہئے الام سمجھئے چاہئے ادہام سمجھئے بین برس سے
یہ قطعہ لکھ رکھا ہے ۵

منکہ باشم کہ جادواں باشم چوں نظیری نماند و طالب مُرد
در بگویند در کدای سال مُرد غالب بگو کہ غالب مُرد
اب بارہ سو پچھتر ہیں اور غالب مُرد کے بارہ سو تتر ہیں اس
سورے میں جو کچھ مسرت پہونچی ہو پہونچ لے ورنہ پھر ہم کہاں۔

سوالات

۱۔ پینے کو کچھ میسر نہیں، میں کیا کیا نکات ہیں؟

۲۔ غالب کو اپنے مرنے کا پہلے سے کیوں یقین تھا؟

ایضاً

ہیرو مرشد یہ خط لکھتا نہیں ہے باتیں کرنی ہیں اور یہی سبب ہے
کہ میں القاب و آداب نہیں لکھتا خلاصہ عرض کا یہ ہے کہ کبج شہر میں
بدر الدین علی خاں کا نظیر نہیں پس مُرد اور کون کھود سکیگا نا چار
میں نے آپکا نواز شامہ جو میرے نام تھا وہ اُن کے پاس بھیج دیا۔
انہوں نے رقعہ میرے نام کا آج بھیجا سو وہ رقعہ حضرت کی خدمت
میں بھیجتا ہوں میں نہیں سمجھتا کہ قسم دوم پکاراج کی کیا ہے آپ
اس کو سمجھ لیں اور نگلیں باضیاط ارسال فرمائیے روپیہ کے بھیجنے کی
ابھی ضرورت نہیں ہے جب میں عرض کروں تب بھیجئے گا تعجب ہے

کہ جناب میرا محمد علی صاحب قلع کا اس خط میں سلام نہ تھا۔ متوقع ہوں کہ چھاپے کے قصیدے اُن کو سنائے جائیں اور میری ہنگامی کسی جائے۔ جناب منشی نادر حسین خاں صاحب کو میرا سلام بصد ہزار اشتیاق پہونچے۔

سوالات

۱۔ خط کا خلاصہ مطلب تحریر کرو۔

بنام حکیم سید احمد حسن صاحب مودودی

حضرت قبلہ! پہلے التماس یہ ہے کہ آپ سید صحیح النسب تمام امت محمدیہ کے قبلہ و کعبہ۔ جب آپ محکو قبلہ و کعبہ لکھیں تو پھر میں آپ کو کیا لکھوں۔ خدا کے واسطے غور کیجئے کہ قبلہ قبلہ اور کعبہ کعبہ یہ کیا ترکیب ہے چونکہ آپ نے مجھے اُستاد گردانا ہے اس التماس کو بھی از قسم اصلاح تصور کیجئے۔ زہار۔ قبلہ قبلہ کہہ ہی تم لکھئے تھے۔ یہ سب ادب ہے۔ یہ نسبت قبلہ۔ خدا کی پناہ۔

آپ کا عطف نامہ پہونچا۔ میرے پہلے خط کا بدیر پہونچتا اور اُس کی دیر سی کا سبب مجھ کو معلوم ہوا۔ اب اس کا خیال رکھونگا۔ یہ اب آپ کو معلوم رہے کہ آپ کے کسی خط کا جواب میرے ذمہ باقی نہیں ہے۔ جس خط کا جواب نہیں پہونچا اس کو یہ سمجھئے کہ وہ راہ میں تلف ہوئے اور میرے پاس نہیں پہونچے۔ فقط (فالب ۱۹۔ ذی الحج)

سوالات

۱۔ مصنف نے القاب کے متعلق اپنی کس فہمی کس پرزے میں ظاہر فرمائی ہے۔

۲۔ جواب خط کے متعلق مصنف نے کیا حاضر جوابی کی ہے۔

رقعات منشی غلام غوث بنخیر

مرزا اسد اللہ خاں غالب کے خط کا جواب

حضرت! خدا گواہ اور محبت شاہد ہے کہ ہمیشہ آپ کے خطوں کے لئے اپنا جی تڑپا کیا اکثر آپ کو یہ لکھنا چاہا کہ جب تک میں زندہ ہوں مجھے تو سلسلہ تحریر قطع نہ کیجئے اس محبت کو تا دم آخر نباہ دیجئے۔ لیکن آپ کے ضعف کا حال جو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور پھر بعضوں سے سنا کہ اب آپ نے اپنے فِدا م سے فرمادیا ہے کہ کوئی کاغذ ہو مجھے دکھایا ہی نہ کرو اس سبب سے تحریر پر جبرأت نہ کر سکا۔ دل پر جبر کر کے بیٹھ رہا۔ اب جو آپ کا عنایت نامہ آیا میں کہہ سکتا کہ کیسی خوشی ہوئی۔ دولتِ طبعی سلطنت ہاتھ آتی تو بھی شاید اتنی خوشی نہ ہوتی۔ ان چند سطروں کو بار بار پڑھا کیا دیر تک ایک کیفیتِ قلب پر طاری رہی جو بیان میں نہیں آ سکتی قسموں کی کیا حاجت ہے اگر اتنا بھی معلوم ہو کہ میرے دل خط کا ایک جواب آئیگا تو حضرت کے دیوانخانے کا طاقچہ میرے خطوں سے بھر جائیگا آپ کو نئے حاکم کا خیال آیا ہوگا جو مساعتِ روزگار سے استفسار ہے۔ واقفِ امن کی تلونڈیوں میں شک نہیں۔ مگر طالع تو وہی پڑتا ہے کیا عرض کیوں میرے حال نے فلسفیوں کا کلیتہً ہل کر دیا۔ کہ باوجود حادثہ رونے کے تغیر نہیں۔ اس سلسلہ روئیکہ منڈ کا دورہ ہوتا ہے۔ کل تک لشکرِ رامپور کے علاقے میں تھا۔ آج یلی کی حد میں داخل ہوا۔ زندگی باقی ہے تو پانچویں فروری کو یہ دورہ ختم ہوگا

اور الہ آباد پہنچیں گے۔

سوالات

- ۱- کاتب نے کتب الہ کے خطوط کے متعلق اپنا اشتیاق کس طرح سے ظاہر کیا ہے؟
- ۲- مصنف نے اپنی ٹھنی پر کس قسم کی کوس پیرے میں ظاہر کیا ہے؟
- ۳- مصنف نے دوسے کی کیا خبر دی ہے؟

حکیم وجیہ الدین صاحب کے خط کا جواب

مَن عَاشَتْ زَمَانُهَا جَدَا سَتَ - سَنَے حَکِیم صَاحِب - فِیْقَر کا مَشرَب اکثر امور بلکہ خدا جھوٹ نہ بنائے تو سارے معاملات میں اربابِ زمانہ کے مَشرَب سے جدا ہے۔ میرے ہاتھ سے اگر کسی کو کچھ پہنچتا ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ اُس کی امانت میرے پاس رکھی میں نے پہنچا دی۔ اور بہت شکر کرتا ہوں کہ اُس خدا سے کہ میں نے آپ دیا اور میرے ہاتھوں سے واپس کے صفت میں مجھے نیک نام کیا۔ اگر کسی اور کے ذریعے سے دلاتا اور یہ نیک نامی اُس کے حصے میں جاتی تو میرا کیا زور تھا۔ یہ ہرگز نہیں تصور کرتا کہ میں نے احسان کیا۔ احسان کا تو جب خیال کروں کرتی اپنے پاس سے کچھ دوں۔ اپنے پاس سے جب دوں کہ کوئی چیز میرے ملک میں ہو۔ میں دنیا کی کسی شے کو اپنی نہیں جانتا۔ اور کیونکر جانتا کوئی چیز میری ہوتی تو عدم سے کہنے وقت ساتھ لایا ہوتا۔ دنیا سے جاتے وقت ساتھ لیتا جاتا۔ نہ وہ ہوا نہ یہ ہوگا۔ پھر یہ ملک کسی اور میں مالک کیسا۔ کچھ نہیں جو یہاں کی چیزوں کو اپنا جانتے ہیں بڑی غلطی میں پڑے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ چند روز جو اس عالم کی سیر کی اجازت ہوئی ہے رفعِ ضرورت کے لئے کچھ چیزیں بھی

عاریت دیدی گئی ہیں۔ مالک کو اختیار ہے۔ جب جو چاہے اُس میں سے دوسرے کو دلا دے۔ ہمیں اُس میں کیا دخل۔ فرد
در حقیقت ہمہ زر ملک خداست چند روزے باریت بااست
اس سرا کو گھر سمجھیں۔ یہاں کی مستعار چیزوں کو ملک قرار دیں۔
اُس بے اختیاری کو جو اُس کے دینے میں ہے اختیار تصور کریں پھر
اُس کا احسان رکھیں۔ لاحول ولا قوۃ سِواہِہ۔ بریں نقل و دانش بباہرِ عزت
دعا کیجئے کہ خدا انجام کار تک فقیہ کی سمجھ کو ایسی ہی رکھے۔ اور نفس
کے دھوکے سے بچائے۔

سوالات

- ۱۔ احسان کے متعلق معنیٰ کی کیا رائے ہے۔؟
- ۲۔ دنیا کو ناپائدار ثابت کرنے میں مصنف نے کیا تازک خیال کی ہے۔؟

راے سالک رام صاحب انسپکٹر کے نام

منظر الطاف و کرم سلامت جب یہ امر متحقق ہے کہ عالم ارواح
میں روحوں سے باہم دیگر ملاقات ہوتی ہے تو میں یہ کیوں کہوں کہ
میرے آپ کے سابق کی ملاقات نہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ جب تک عالم
اجسام میں ظہور اسکا نہ ہو تب تک کسی کو کسی بات کی تکلیف دینی
بہینہ وقوع ہے اس کو میں بھی تسلیم کرتا ہوں۔ مگر عالم اسباب میں بعض
وقت ایسے سبب جمع ہو جاتے ہیں کہ وہ یہ مراسم ظاہری بھی تکلیف
دینے پر جرات دلاتے ہیں۔ مجھے اس پر جرات دلانے والے دو امر
ہیں۔ ایک آپ کا صوفی مشرب ہونا۔ چونکہ میں بھی ابتدا سے شر
سے حضرات صوفیہ کا غلام ہوں یہ من نسبت اپنے میں اور آپ میں

ایسی پاتا ہوں کہ سارے تکلیفات کو قطع نظر کرنے کے لئے کافی ہے۔
 دوسرا یہ خیال کہ جب آپ کو خط دیکھکر یہ تصور ہوگا کہ ظاہر کی شناسائی
 نہیں اور تکلیف دیتا ہے تو میری سادہ دلی پر رحم آجائے گا۔ اور
 وہ رحم میرے مقصد کے برائے میں برسوں کی ملاقات سے زیادہ
 کام آئے گا۔ پھر بے تکلیف آپ کو تکلیف کیوں ندوں۔ اس لئے
 گزارش کرتا ہوں کہ آپ کو یاد ہوگا ابھی چند مہینے ہوئے جب
 آپ الہ آباد تشریف لائے تھے تو مرزا مشار علی بیگ صاحب نے آپ سے
 اس کی سفارش کی تھی کہ امین الدین خاں صاحب سب انسپکٹر کو
 فحشود سے الہ آباد بدل دیجئے۔ اور آپ نے وعدہ فرمایا تھا اگرچہ مرزا
 صاحب بھی مثل میرے خالص صاحب کے دوست ہیں۔ لیکن محک اس کے
 میرا ہی تحریک سے ہوئے تھے۔ اب میں بلا واسطہ ملتمس ہوں کہ
 اپنے وعدے کو وفا فرمائیے۔ اس عطا میں زیادہ لطف ہے۔ جو
 بے تکلیف انتظار ہے۔ آپ سے میں اسی کا خواستگار ہوں۔ اور
 کیوں نہیں کہ اربابہ کرم کے نزدیک یہ کچھ دشوار نہیں۔ اگر
 تھوڑا سا وقت آپ اس تحریر کے جواب میں بھی ضائع فرمائیں گے۔
 تو میں اس کا بھی شکر گزار ہوں گا۔

مسوالات

- ۱۔ کاتب نے مکتوب الہ سے باوجود پہلی ملاقات نہونے کے کس اسوب سے قدیمی تعلقات
 ظاہر کئے ہیں۔ ؟
- ۲۔ اس عطا میں زیادہ لطف ہے جو بے تکلیف انتظار ہے۔ سے کیا مراد ہے۔ ؟

منشی محمد اکرام حسین صاحب منصرم گلگڑی کے نام
 مخدوم میرے اگرچہ حاجت روائی خلق اللہ کی ہے تو بہت اچھی بات
 کہ انسان دنیا میں ٹیکنام ہوتا ہے۔ عقی میں مغفرت سے شاد کام ہوتا
 ہے۔ ہر شخص اس کی مدح کرتا ہے۔ ہر ایک اسی کا دم بھرتا ہے۔
 بے کوڑی پیسہ خچ کئے فلائیوں کا لشکر اس کے لئے تیار رہتا ہے۔
 جب تک جہاں رہے سب عزیز رکھتے ہیں۔ کہیں چلا جائے تو بغیر یاد
 کرتے ہیں۔ لوگ رنج و راحت میں اس کے شریک ہوتے ہیں۔ جو کہ
 ظاہر میں دور ہوں وہ بھی دل سے نزدیک ہوتے ہیں۔ جیسے کہ آپ
 ہیں۔ اور لطف بھی دنیا میں رہنے کا یہی ہے کہ سویا کی طرح لوگوں
 کے دل میں رہے سب کی آنکھوں میں جگہ پائے۔ نگار کی صورت
 تل میں رہے مگر برائی اس میں ہے تو یہ ہے کہ لوگ تنگ بہت کرتے
 ہیں انگلی پکڑ کر پہنچا پکڑتے ہیں جس کا ایک کام کر دیا وہ دوسرا
 کام پیش کرتا ہے۔ ہر وقت ایک نئی طرح کی محکیم دیتا ہے جیسا کہ
 میں ہوں کہ آج پھر آپ کو کچھ تصدیق دیتا ہوں۔ اس اجمال
 کی یہ تفصیل ہے کہ میاں محمد سعید میرے ایک دوست اس ضلع کی
 پولیس میں نوکر ہیں بہت دنوں سے ان کی شادی ٹھہری ہے۔
 دونوں طرف سارا سامان دیتا ہے۔ انہیں کسی طرح رخصت نہیں
 ملتی۔ اگر آپ وہاں کے صاحب سپرنٹنڈنٹ بہادر سے اتنا کام لیں
 کہ انکو دو مہینے کی رخصت بلا عوض یا بعض عین مل سکے تو کمال
 آپ کا احسان ہوگا۔

سوالات

۱۔ حاجت روائی خلق اللہ کے نتائج بیان کر کے فوائد اور نقصانات کی تفصیل کرو۔

قاضی نجم الدین صاحب برق کے خط کا جواب

ساری ہستی جلاب کشی سی ہے یہ نمائش سراب کی سی ہے
 آج صبح کو کہ شامِ غم آئے کون تو بجا ہے آپ کا خط آیا۔ کیا لکھوں
 دل نے کیا صدمہ اٹھایا مجھے اس سرگزشت کے تصور سے رنج و الم
 ہے۔ آپ پر گزری ہے جو کچھ آپ کی حالت ہو کم ہے۔ کوئی نا سمجھ ہو
 تو اُسے سمجھاؤں کہ دنیا ناپائدار ہے۔ زندگی کا کیا اعتبار ہے ہم
 سب اس بزم میں اسی لئے جمع کئے گئے ہیں کہ پریشان ہوں ایک
 کا حال دوسرے کے لئے آمینہ ہے۔ پھر کیونکر نہ حیران ہوں۔ غفلت
 ہم لوگوں کا شعار ہے۔ اور جو سچ پوچھئے تو اس میں بھی کچھ اپنا
 قصور نہیں۔ اس کارخانے کا اسی پر مدار ہے۔ ورنہ سوچیں تو دنیا
 ایک طلسمات کی سرا ہے۔ مسافر اس میں پس و پیش آتے ہیں اور
 ویسے ہی اپنے اپنے وقت پر چلے جاتے ہیں۔ چند ساعت جو دم
 لینے کے لئے ٹھہرتے ہیں تو عبث کن کن جھگڑوں میں پڑتے ہیں
 ناحق کے لاکھوں تعلق ہیں کروڑوں افکار ہیں اعتبارات کو حقیقت
 سمجھ لیا ہے اسی سے بتلائے آزار ہیں۔ جانے والے جو دام غفلت
 سے نکل جاتے ہیں پھر وہ ہمیں مڑ کر نہیں دیکھتے کہ ان کا کیا
 حال ہے۔ ہم جب تک اس میں پھنسے ہیں مجبور ہیں ہمیں ان کا رنج
 ہے طال ہے۔ آپ تو خود سمجھا رہے ہیں۔ دینا اور کو سمجھا سکتے ہیں
 آپ کو کیا سمجھاؤں۔ ہاں دھا کرتا ہوں کہ ہر دروگیاں مرحوم کو
 حضرت خاتونِ جنت کے جوار میں جگہ دے۔ آپ کو توفیقِ صبر
 عطا کرے۔ لڑائی کی عمر دراز ہو کہ وہ مولیٰ مٹی کی نشانی ہے۔ پس

انہوں کے لئے مرتبہ زخم جاودانی ہے۔

سوالات

۱۔ مصنف نے دنیا کی ناپائیداری کے لئے کیا دلائل پیش کئے ہیں؟

۲۔ متقی صبر کے لئے مصنف نے کیا تحریر کیا ہے؟

نواب محسن الملک کے بھائی کی تعزیت میں

جو کچھ خدا دکھائے سونا چار دیکھنا۔ اللہ اکبر پہلو میں جگر ہے یا
پتھر کہ جس کے غسل کی شہیت لکھنے کا منظر تھا اُس کی تعزیت لکھنے
بیٹھا ہوں اور قلم ہاتھ سے گر نہیں پڑتا۔ سینے میں دل ہے یا فولاد کہ
زرمزہ شادی کی جگہ نوچہ غم لب پر لاتا ہوں اور اُس کے خون ہو کہ
بہ جائے سے نہیں ڈرتا۔ بھائی اور جوان اور ذی استعداد اور خوش
لیاقت۔ ایسے کے مرنے میں کیونکر لکھوں کہ بیخ اختیار افزائے۔ دلہر
جبر کیجئے۔ مرنے والے کی اتنی باتوں سے کس کس بات پر کہوں کہ
ہے صبری اچھی نہیں صبر کیجئے۔ اس حادثہ کا جسدِ آپ کو الم تھو کہ
ہے۔ تمام عمر جو دلوں چین نہ لینے دے وہ ماتم ہے۔ مگر کیا کہوں اگر
یہ نہ کہوں کہ گریہ و بکا بے سود ہے۔ جی مانے یا نہ مانے تسلیم و
رضا ہی میں بہبود ہے۔ اور میں کیا کہوں آپ خود جانتے ہیں کہ
دنیا فانوسِ خیالی ہے انسان اس میں مثلِ تصویر کا غدی ہر امر
میں اپنے اختیار سے خالی ہے۔ جسے زندگی کہتے ہیں وہ ایک حرکت
اضطراری ہے۔ اور جسے موت جانتے ہیں وہ ایک سکون ہے اختیاری
ہے۔ جب یہ حال ہو تو جینا مرنے سب ایک سا ہے۔ تصویر کو
تصویر کا غم کتنا بیجا ہے۔ اگر اہل حقیقت پر آدمی کی نظر ہو تو

پھر کیوں ایک کے لئے دوسرا خاک ہوسر ہو لیکن ہاں انصاف یہ ہے کہ اس میں بھی کچھ اپنا بس نہیں چلتا۔ اس طلسم غفلت کا اثر ایسا غالب ہے کہ دل سے ہرگز نہیں نکلتا۔ ہر کیف اب یہ دعا ہے کہ مروج کی مغفرت ہو اور اُس کے بعد جو کچھ آپ کو پیش آئے وہ سب عیش و عشرت ہو۔ فقط

سوالات

۱۔ مصنف نے تلقین صبرِ اظہار۔ افسوس۔ ناپاکداری دنیا اور دعائے مروج کے لئے کیا کیا پیرائے اختیار کئے ہیں؟

قصائد

قصیدہ۔ لغت میں قصیدہ کے معنی ہیں کسی شخص یا چیز کی جانب متوجہ ہونا۔ چونکہ قصیدہ میں شاعر کا مقصود کوئی خاص شخص یا چیز ہوتی ہے جس کی بھلائی یا بُرائی کرتا ہے، اس لئے اُس کو قصیدہ کہتے ہیں۔ قصیدہ میں اگر بھلائی یا بُرائی سے پہلے کوئی تمہید مروج کے حال کے موافق ہو تو اُس کو تمہیدیہ کہتے ہیں اور اگر شروع ہی سے تعریف شروع کر دی جائے تو اُس کو خطابیہ کہتے ہیں۔ قصیدہ یا غزل کا پہلا شعر جس کے دونوں مصرعوں میں قافیہ ہو اُس کو مطلع کہتے ہیں۔ مطلع بھی ایک ہوتا ہے کہمی دو یا زائد۔ اور مطلع کے بعد کے شعر کو حُجین مطلع اور شعر آخر کو جس میں شاعر اپنا تخلص رکھتا ہے۔ مقطع کہتے ہیں۔ قصیدہ تمہیدیہ کے اُس شعر کو جس سے مروج کی تعریف کی جانب رجوع کریں گریز یا تخلص کہتے ہیں اور اُس تمہید کو تشبیب۔ جو الفاظ حرکات سکات وزن تعداد حروف میں یکساں ہوں انکو قافیہ اور جو تمام اشعار کے آخر میں مکرر آئے۔ اسکو رولیفٹ کہتے ہیں۔

حمد باری تعالیٰ

ہر جا ہے تیرا جلوہ لیکن دیکھنا تو کہیں نظر نہ آیا

یاں عقل ہے گم کہ بس تجھی کو
 افسوس تیری بے نیازی
 یوسف سے عزیز کو کئی سال
 یاں شعلہ کو سرکشی کی کیا تاب
 تجکو ہی مزا ہے کبریا ئی
 تو واحد و بے نظیر و بہتا
 تجکو بھی نہ کہہ سکیں ترا مثل
 یعنی وہ فنا ازل سے ہے اور
 آوے تری حمد کا تو ہم
 کیا صعب گزار ہے رو حمد
 چکر میں ہے عقل عرشِ اعظم
 مومن ہے زمانِ عرضِ ہول
 روڑو کے دعا کر اک ذرا دیکھ
 اللہ مرے گناہِ جمید
 ہے عام خطاب یا مبادی
 عالم میں نہ ہو یگا وگر نہ
 کیونکر نہو تیری آس تو نے
 تجکو بھی بچاے جیتے تو نے
 وہ رخصتِ حال دے کہ جس نے
 اسکا مرے دل پہ ایک پر تو
 مومن کے کس سے حال آخر

پایا ہر شے میں پر نہ پایا
 یعقوب کو مدد توں دولا یا
 زندانِ عزیز میں پھنسا یا
 اطمین کو خاک میں ملا یا
 کرسی کا نہ عرش کا یہ پایا
 تو حاکم و خالق بر ایا
 یاں تک نقشِ دوئی مٹایا
 اُس ذات کو کب زوال آیا
 یہ حوصلہ میں کہاں سے لایا
 جبریل کا ہاتھوں لڑ کھرایا
 اُس نے بھی مگر تجھے نہ پایا
 یعنی تجھے بے خرد جنایا
 کیا ابر کرم ہے سیرۂ چھایا
 وہ ہیں کہ شمار کو ٹھکایا
 اُس نے تو کچھ آسمان بندھایا
 مجھ سا کوئی مُنکر السجایا
 افلاک کو بے ستوں تھمایا
 یوسف کو گناہ سے بچایا
 منصور کو دار پر چڑھایا
 جس شعلہ نے طور کو جلا یا
 ہے کون تیرے رجا اعدا یا

زمانہ کا انقلاب

یاد آیام عشرت فانی
جائیں وحشت میں سوی صواکیوں
ایسے وحشت سرا میں آئے کون
نکتہ سخن سے جی میں ہے پوچھو
کیا ہوئی وہ بلندی دیوار
مٹ گئے حوصل و نرغیر از چشم
نہ بلا کچھ نشان آب رداں
سقت رنگین و زرنکار کہاں
شور زان و زغن ہے سمع خراش
صوت دلچ گدا ہوئے پردے
آب کا شانہ فرش خاک ہوا
یا ظرافت و سما سے مجھے تھا
یا نہیں سپہ مرقع و کشکول
مسند گوہری کا وہمیان آیا
بالش سنگ و خوب و او ملا
یا یساں پہ نیاں و مجلس سے
یا یہ احوال ہے کہ چاک ہوا
اس چہی زار کو خزاں ہے غرور

نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانی
کم نہیں اپنے گھر کی دریانی
بے دری کر رہی ہے دریانی
کہ میں شہری ہوں یا بیابانی
کیا ہوئے وہ عماد طولانی
ایک قطرہ کہیں نہیں پانی
خاک سارے جہاں کی چھائی
جز سپہ و نجوم لورانی
اب کہاں بلبل و غرنحوانی
زینت افزاے کاغذ سلطانی
کیسے قالیچہ ہاسے کا شانی
دعویٰ قیصری و خاقانی
تا کروں تازہ رسم ساسانی
پوچھتے کیا ہو وجہ گریانی
بار خاطر ہوئی گزراں جانی
جلوہ گر تھی سپہ سامانی
سنگیوں سے لباس عریانی
میں نے کیا تہ کی بات پہچانی

(زمین)

قصیدہ حبیب

کھلے اگر ہزار برس چکر آسمان
گر ہو تمام چشم تماشاگر آسمان
سج ہے زمین پہ پانوں رکھے کیونکر آسمان
مثل حجاب جامہ سے ہو باہر آسمان
تاج زمانہ جسکا ہے فرمان بر آسمان
تسلیم کو ہے جسکے جھکا تا سر آسمان
حاضر عصا کے کاہشاں لیکر آسمان
ہے پیر پر جواں سے ہے بہتر آسمان
مقدور کیا ہے ٹھکر کے دم بھر آسمان
گو لاکھ جمع و خرق کا ہو قطر آسمان
ہوں شات آسمان کی جگہ ستر آسمان
کا جل لگائے اُسکے دھڑکنے آسمان
شبِ نیم کی جاے صبح تلک گو ہر آسمان
انجم سے لاکھ جمع کرے لشکر آسمان
کیا کیا بلائیں لینا تھا جھک جھلکر آسمان
لایا ہو کج جس میں نہ برگ و بر آسمان
در ہودہ مثل پردہ بازی گر آسمان
کرتا ہے جس کا روز طہاں در آسمان
ہو حکم سے نہ اُس کے کہنی باہر آسمان

پائے نہ ایسا ایک بھی دن خوشتر آسمان
دیکھے نہ اس طرح کا تماشا جہاں میں
اترا رہا ہے عطر سے عیش و نشاط کے
افراط انبساط سے ہے کیا عجب اگر
شادی کی اسکی دھوم ہے آج آسمان تلک
فرزند شاہ یعنی جواں بخت ذی وقار
ہے اُس کی بارگاہ میں مانند چو بدار
اس بیاہ کی نوید سے ہے اس قدر صرود
پھرتا ہے اہتمام میں شادی کے رات دن
فرد حساب صرف سے اس بیاہ کے ہو کم
اب رہا رو دو دچراغاب سے تو بہ تو
چشمِ قرم میں اور بھی ہو روشنی دو چند
کرتا رہا برات کی شبِ شام سے شمار
پہنچے براتیوں کے نہ ہرگز ہجوم کو
جس وقت سرہ باندھکے دولہا ہلا سلا
ایسا نہیں جہاں میں کوئی نخل آرزو
کرتا ہے شاخِ خشک تنہا کو نخلِ سبز
شادی کا اُس کے نورِ بصر کے ہے اہتمام
وہ شاہِ نامور کہ بہادر شہسوار اسکا نام

مطلع پڑھوں حضور میں وہ میں جیسے کہ مطلع سے آفتاب کے بھی برتر آسمان

مطلع

تجھ ساز میں پہ دیکھے جو قیغ فر آسمان
 مطلع سدا مساعد و عالم سدا مطیع
 نہ آسمان سے رقبہ تریا یوں بلند تر
 وہ بھر بیکراں ہے تری ہمت و بیخ
 دربار قہر تیرا جو طوفاں کرے بپا
 قہر پر ترے وہ راست قبائے علوجاہ
 تیری گہر نشانی دستِ کرم سے ہے
 یوں دل میں تیرے جلوۂ ذاتِ محیط
 یہ ذوق کی دعا ہے کہ جبک زمانے میں
 بزم نشاط و عیش رہے تیرے گھر میں بزم
 مارے بگڑ میں حاسد بدخواہ کے ترے

قربان د کیوں فرمیں کے ہو چکر کہ آسمان
 کو کب ہمیشہ یار تیرا یاد رہے آسمان
 جس طرح کو ہمارے بالا تر آسمان
 ہے بلبل سا ایک گہرے پر آسمان
 بے جاے مثل کشتی ہے فنگر آسمان
 زہینہ جس کے واسطے بالا بر آسمان
 گویا کہ ایک دامن پڑ گویا آسمان
 آجائے جیسے آئینہ کے اندر آسمان
 منسوب ہر ستارے سے ہو دے ہر آسمان
 لائے ہمیشہ تیری مرادیں ہر آسمان
 تارِ خطوطِ مہر سے سنو نقشہ آسمان
 (ذوق)

قصیدہ رحیم

میں مری آنکھ میں اشکوں کے تماشا گھر
 نظرِ شمع سے چھپ سکتے نہیں اہل صفا
 رزق تو در ذوقِ خواہش ہے بیوہیتا بگو
 پاک دنیا سے ہیں۔ دنیا میں ہیں گویا کشتی
 ہے دل صاف کو عزتِ بنی میں گویا عید
 ایک گھر دیکھو تو ہوں کتنے ہی پیدا گویا
 تر دنیا سے چمک کر مکمل آیا گویا
 فرخ کو دانہ ملائیس نے پایا گویا
 غنم ہے آہ میں پر تر نہیں ملا گویا
 گرد آلودو شیشی ہوا تنہا گویا

کور باہن کو چوکیا جو ہر دانش کی شناخت
 غیر زہد پائے نہ کم مایہ سے جو ضبط ہوں
 رابطہ نا چیز سے کرتے ہیں کوئی پاک نہاد
 دلخراش اور ہے طاقت وہ دل ہے کچھ اور
 فیض کو عالم بالا کے ہے شرط استعداد
 صدق اور کذب پہ ہر گتہ کی ہے شرط نظر
 صاف باطن کی ہو جب قدر کہ ظاہر ہو دست
 ہوتی غربت میں اگر قدر نہ خوش جوہر کی
 ذوق موقوف کر انداز غزل خوانی کو
 غوطہ دریائے سخن میں بہے لگانا بہتر
 اثر طرح سے اس خسرو دیا دل کے
 وہ بہادر شہ فازی کہ برنگ نیساں
 جہن سے اس کے ہے اک فیض کا دریا جاری
 زیور آرا ہوں اگر آئینہ میں گل و سرو
 بنوئے گر گوش صدف تک یہ نوید عشرت
 مویں گوہر میں بھی ہے طرز بقیم پیدا
 طرح حاضر میں کروں میں کوئی مطلع تحریک

مطلع

آج وہ دن ہے کہ اس خسرو والا گوہر
 بحر بر میں ہے شمایرے میاں ستار
 کوہ دے نذر تجھے لعل تو در با گوہر
 یسم سے زرد تلک اور لعل سے لے تا گوہر

ہو نصیب صدق نقشب کھٹ پاگوہر
 ٹوٹ کر جو تری سمن سے گرا تھا گوہر
 جو تیرے طرہ دستار کا چمکا گوہر
 سوتا میں عومن غنچہ ہو پیدا گوہر
 تیرے کھٹے کا کسوں کیا اُسے زیبا گوہر
 لکھتے ہیں نسخہ مغلس میں اطبا گوہر
 گرے سن پائے کہیں سنگ نے توڑا گوہر
 ابر مرقہ سے برسنے گیس کیا کیا گوہر
 گلن شمع میں ہیں آنسوؤں کی جا گوہر
 حق میں ہمارے تجا رہا ہے لب کا گوہر
 دل روشن کا جسے ایک نمونہ گوہر
 تو سدا منہ سے مرے پھول چھڑی پا گوہر
 تاکہ ہو سنگ سے لعل آب سے پیلا گوہر
 ٹانگے بٹنم سے سر دامن صحرا گوہر
 بریں مہیاں کرم سے تیرے شاہا گوہر
 ہونہ جزا شک سر دامن عسا گوہر
 (دوق)

ہو تیرے فیض قدم سے جو زمیں گوہر فیض
 مشنری کہتے ہیں جھکو وہ اٹھا لایا چغ
 صبح اقبال وساعت کا ستارہ چمکا
 پردریش دیوے چمن کو جو ترا ابر کرم
 ماہ گھنے کے لئے ہے نہ کہ گھنے کے لئے
 درمشانی سے تری استنہ گہریں ازاں
 کوہ کا دہرہ کرے آب تری بہت عدل
 آب دریاے کرم سے جو ہو تیرے سیلاب
 آج محفل میں جری وہ گہرا فشانہ ہے
 تیرے دوران حفاظت میں کہاں بچے و گزند
 سینہ صافی کا جسے ایک پتہ نقشہ دیا
 خسروا میں جو کسوں سب ترے اوصاف کو
 ذوق کرتا ہے دمایہ پر اب ختم سخن
 جہانک جوش بہاؤں سے ہلے دم صبح
 ہر بس جشن ترا جھکو مبارک ہو وہ
 دوستوں کو ہو جسے گنج گہر روز نصیب

قصیدہ

کسو کہ نیزہ مڑگاں کرے علمداری
 وہ آنکھوں میں نہیں طالع میں تھی جو بلیڈی
 کسی مرض پہ جس طرح رات ہو بھاری

سپاہ لشکر کی آنکھوں نے کی ہے طہاری
 ہجوم غم کا ہوا نیند ہو گئی پاؤں
 نگاہ دل میں ہے یوں صورت جہان سیاہ

زمانہ آپ کو شاید محسوس سمجھتا ہے
 بر زمین جو دانش کسی دل میں بوساں مجھے
 غم کو جانتے ہیں ہستی سے قافلے کیا کیا
 ہر اک سوار ہے پادری رکاب عالم میں
 جو دن کو مرتے ہیں ہر شام آنکے نام لیا
 اہل سے نوح رہے تن میں کس طرح مصروف
 بجایا ہے گرم کچری جو ایسی موت کی ہے
 امید زائل جہاں سے عیش ہے اعلیٰ کی
 اٹھتا ہے آہ دم تھک مرگ کا طوفان
 دوسر تو تیرا دوسری تھی و پڑتی ہے
 دوسر مکان بنا اس طرف مزار گھٹا
 سحر ہوئی ہے گلاب ہے سرا کا دروازہ
 وہ خوشخوارم ہوئی خاک جن کے نام میں
 وہ برق دیش ہوئے آزار کھینچ کر معدوم
 لحد میں اپنے پڑا بوجہ سیکڑوں میں کا
 زمین سے ایک جہاں دام کر میں کھینچا
 کہاں وہ تلخ فریادوں کی تھی جو کرک
 کہاں وہ عیش زلیخا کہاں وہ ہٹا ہی مصر
 کہو کہ آئیں نہ اس کے فریب میں داخل
 یہی حقیقت دنیا ہے کہ ہے کیا دنیا
 ہوئی تھی جن کے لئے غنیمت زمین و زما

کہ جانتا ہے سبب فخر کا دل آزادی
 کہنے کہ نہرواں ہے جو اٹھتا ہے جاری
 یہ شاہراہ مشب دروڑ رہتی ہے جاری
 سمندر میں کتنی ہے تیز رفتاری
 پہن کے آتی ہے شب جامہ غدا ری
 نہیں ہے قلعہ آہن یہ چار دیواری
 کیا ہے نقلی تقدیر یہ قلم جہا ری
 یہ تیرہ جانتی ہے شیوہ جگر خواری
 جو ایک ڈوب چکا دوسری ہے باری
 کہاں کہاں کی بھلا ہو سکے خبر داری
 دوسر لباس دوسر ہے کفن کی طہاری
 مسافروں سے کہو کوئی کی ہے تیاری
 زمین پر سر کو چھکتی ہے کبک کساری
 کہ جلی خاک پہ روتا ہے ابر آذاری
 کسی کی جی سے نہوئی تھی ناز پر داری
 لحد نہیں یہ ہے زمیں بہر عتباری
 کہاں وہ محتسب سلیمان کی تھی جوتاری
 کہاں وہ حضرت یونس کی گرم بازاری
 کہ باغ سبز دکھاتا ہے پرمخ و شکاری
 کسی سے کی نہ کرگی کبھی دفا داری
 وہی جہاں سے گئے پیش حضرت باری

مسافروں میں روانہ ہیں آنکھ بند کئے عدم کی راہ میں دیکھو ہے کتنی ہمواری
(امیر متالی)

غزلیات

غزلِ وقت میں عورتوں سے باتیں کرنے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں آن مجموعہ اشعار کو کہتے ہیں جس میں حسن و عشق وصل و فراق اور عشق و محبت کے لوازمات کا بیان ہو۔ لیکن اب شعرا نے اس میں اور وسعت دیکر اطلاق اور تعین و موافق و جذباتِ قلبیہ کو بھی شامل کر لیا ہے۔ غزل میں مضامین مسلسل نہیں ہوتے ہر شعر کا معنوں جداگانہ ہوتا ہے۔ بعض شعرا نے مسلسل معنوں کی غزلیں بھی لکھی ہیں۔ غزل کے اشعار کم سے کم ۵ ہوتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ۱۷ مگر متاخرین نے ۱۷ سے لائے اشعار بھی غزل میں لکھے ہیں۔

میر محمد تقی میر

بے رنگ بے ثباتی یہ گلستاں بنایا
آٹھنی ہے خاک یارب شام و صبح جہاں میں
رنگ رنگ پر نہنایاں کا سبب نہیں ہے
آئینے میں کہاں ہے ایسی صفا کہ تو
اس حسن پر یہ وسعت اللہ ری تیری صنعت
ورپوزہ کرتے گذری گلیوں میں عمر اپنی
وہ تو مٹا گیا تھا تربت بھی مقبرہ کی

بلبل نے کیا سمجھکر یاں آہشیاں بنایا
کس کے غبارِ دل سے یہ خاک کہاں بنایا
کیا کیا نہ رنگ لائے تب یہ جہاں بنایا
جہوں سے راستوں کے وہ آستان بنایا
معمار نے قضا کے ذلی کیا مکاں بنایا
درویش کب ہوئے ہم کلیہ کہاں بنایا
دوچار ایشیں رکھکر پھریش نشان بنایا

۲

اکرام ہو چکا جسے جسم نزار کو
پانی پر جیسے غنچہ لالہ پھر سے بہا
برساتو میرے دیدہ خونبار کے حضور
ہنستا ہی میں پھروں جو مرا کچھ ہوا تھا

رکے خدا جہاں میں دل بیقرار کو
دیکھا میں آستوؤں میں دل و غدار کو
وہ اب تک افسانہ ہے در ہمار کو
پر کیا کروں میں دیدہ بے اختیار کو

سرکشی سواے نہ کیا جہاں میں کچھ
کس کس کی خاک ابکی ملائی ہے خاک میں
اے وہ کوئی جو آج ہے ہے تیرا پیش
جیتے جی فکر خوب ہے ورنہ یہ بد بلا

۳
اس باغ بے ثبات میں کیا دل صبا لگے
سرخ و ہون سے باز رہے دل تو خوب
خاک اب تو اپنے جی کو بھی لگتی ہے ہنسا
کس کو خبر ہو کشتی تباہوں کے حال کی
مقصود کے خیال میں باتوں نے چھانی خاک
سب چاہتے ہیں دیر رہے میرے دل زدہ

۴
دل جو زیرِ غبار اکثر تھا
سرسری تم جہاں سے گزرے
دل کی کچھ قدر کرتے رہو تم
اب خوابہ ہوا جہاں آباد
خوش رہا جب تک رہا جیتا
میرے دل کو تو دہا لگے

خواجہ میر درد

نہ اندیشہ ہے شادی کا مجھے نے فکر ہے غم کا
برابر ساز میں ہوتا ہے جوں تیرے برابر غم کا
کہ ہر اک سرو قد ہے اک پہن میں غل نام کا
کھلا دروازہ میرے دل پہ از بس اور عالم کا
بلند و پست سب ہموار ہیں اپنی ہنگاموں میں
گلستانِ جہاں کی دید کیجو چشمِ حیرت سے

چمن میں باغیاں سے صبح کو کتنی تھی یہ بلبل
نہیں مذکور شایاں و رد ہرگز اپنی مجلس میں
گلہ کے منہ پہ یوں چڑھتی ہے دید و دید ہرگز
کبھو کبھو ذکر آیا بھی تو ابراہیم ادھر کا

نہ ہاتھ اٹھائے فلک کو ہمارے چہنے سے
نہیں خیال مجھے خاتم سلیاں کا
بسانِ دانہ انگور سے ہرستوں نے
ترقی اور تنزل کو یاں کے کچھ عرصہ
مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جاوے
مال کا رٹو چھایا قبور سے ہلکے
بسا ہے کون تو سے دلیں گداز آورو
کسے دماغ کہ ہو دو بدو کہنے سے
برنگ نام ہوں برکندہ دل گھنے سے
یہاں ہے فیض مرے دل کے آگے سے
مثال ماہ زیادہ نہیں جینے سے
کہ زندگانی عبارت ہے یہ جینے سے
یہ نقد مال لگا ہاتھ اس دینے سے
کہ ہو گلاب کی آبی ترے پسینے سے

فرض کیا کہ اسے ہوں اک دو قدم ہی بلوغ ہے
وہیچے بسکویاں اسے ادھر ہی کچھ دماغ ہے
غیر سے کیا معاملہ آپ ہی اپنے دام میں
حال مراد پوچھتے ہو کموں میں سو کیا کہوں
کھو نہ سکے کبھو ہمارے سر سے شے کی آبرو
سینے میں یوں کہ آہ تو ہے ہے چھپد باکیں
غفلت دل سے گھر پہ گروش خلق و ردو
آپ کہیں بجائیے ملتا نہیں سراغ ہے
ایک شب بھاغ بھی گوہر شب چراغ ہے
قیدِ خودی نہ اگر پھر تو مجب فراغ ہے
دل ہے کوروش ریش ہے سید کو بلوغ ہے
وہدہ آئینہ کی طرح تجھے بھرا ہوا ہے
اپنی تلاش سے غرض ہلکے ترا سراغ ہے
بیل دھتیاں تو در نہ ہر ایک سراغ ہے

مرزا محمد رفیع سودا

آرام پھر کہاں ہے جو ہو دل نہ با حرم
آسودہ زخمِ جہنم نہیں آشنایے حرم

مکمل نہیں ہے یہ کہ بھرتے کاسے طبع
انسان موقوف ذلیل زمانے کے ہاتھ سے
کرمیہ کو ایک بسوسہ قناعت یہ حرف مان
ناداں تلاش طرہ زور سے تو باز آ
اپنے سوا کسی کو نہ پاچا حریف حریف
سودا بسر ہو غولی سے اوقاف ہر طرح

طبیعت سے فرومایہ کے شعر تر نہیں ہوتا
ہنسے دور ہے بہا مل کی غفلت لگا بینہ
نجانے عکس تو آئیں پڑا کس اہل جنت کا
سعاد قند ہو کر جی کہ پیدا از مرگ عالم میں
طبع دولت کی بلے تاب و قہر تہ کھڑا پیسے
تلاش خضر بہر منزل مقصد نہ کر سودا

ہے تنگ روزانے میں بہت عمر کا عرصہ
دیکھ دے نہ کسی دیکھ نہیں باغ جہنم
جون خضر ہوں عمر ابد کی نہیں مجھ کو
بلے چھا جو میں سودا سے کہ ہاتھ کے کچھ کا

اس میں عمل نیک کیا چاہے نہ کرے
عمر عمل حیات اپنے سے چاہے کٹھن
اس دم کی محتاج ہے جو عقیدہ پاس گذرے
اتنا میں سمجھا بھر کے دم سرد اگرے

مومن خاں مومن

تم بھی رہنے لگے خفا صاحب
کہیں سلاہ ہمارا صاحب

کیوں اُکھتے ہو جنبش لب سے
کیوں لگے دینے خطِ آزادی
ستم آزار ظلم و جور و جفا
نامِ عشقِ بیاں نہ کو مومن
خیرے میں نے کیا کہا صاحب
کچھ گتہ بھی غلام کا صاحب
جو کیا سو بھلا کیا صاحب
کچھ بس خدا خدا صاحب

انشاء اللہ خال انشا

کربان نہ ہو سے چلنے کو یاں سب یا رہیے ہیں
نہ چھڑاے نگہت باد بھاری راہ لگ اپنی
بسانِ نقشِ پا ہے رہرواں کوئی تمنا میں
یہ اپنی چال ہے اُفتادگی سے ان دنوں پروں
کہیں ہیں صبر کو آہ ننگِ تمام کیا شے ہے
نجیبوں کا عجب کچھ حال ہے اس دور میں یاد
کہاں گردشِ فلک کی چین دیتی ہے سنا انشا

جس شخص نے کہا ہے نغوت کے بل کو توڑا
ہیوادلی شگفتہ تالاب کا کنول تھا
تھا ساحتِ فرنگی دل چپ جو ہو رہا ہے
دار و جہم نے کیا کیا تجھ سے شکست اپنی
یعنی ہے جس دل تو ظلم کو آج لے چک
احوالِ محوشِ اُنہوں کا انشائیاں جنہوں نے

راہِ خدا میں اُس نے گویا جہل کو توڑا
افسوس تو نے ظالم ایسے کنول کو توڑا
کیا جانے کہ کہنے ہے اس کے کل کو توڑا
اسے چنچ تو نے کس کس اہلِ دول کو توڑا
پڑ جائیگا وگرنہ پھر اُس کا کل کو توڑا
اُس ذاتِ بخت سے بل بند اجل کو توڑا

تو وہ گھر تا بہ قیامت کبھی آباد نہو
چھٹ ترے اک متنفس کبھی بشارت نہو
نہ کہ یہ قصد کہ کوئی کہیں آباد نہو
زندگانی ہی نہیں جس کی یہ بنیاد نہو
مجھے ڈرتے کہ یہ خونِ سر فراد نہو
یاں کوئی دام لگائے کہیں حیات نہو
تیرے شکوے کی جگہ اسے ستم ایجاد نہو
کبھی بلبل کے فرشتوں کو بھی جو یاد نہو

حق تعالیٰ کی طاعت سے جسے امداد نہو
ہے یہ انصاف بھلا خوش رہے تو ہی فقط
خانہ آباد۔ جو آجڑے ہوئے ہوں اکلوتا
مٹ گیا جبکہ حباب آہِ نوب آئی پیدا
ہستوں پر جو کھلا لالہ تو شیریں نے کہا
شور اُٹانہ کر اسے مرغِ نوانج خمہ نش
تو بھلا سوچ تو کچھ گوشہ دل میں کیونکر
ہو جو آتش کو اجازت تو بھرے وہ نالہ

۴

خاک ہی خاک ہے سب خاک کی کیا خاک ہو
کرنے دیتی ہی نہیں گردشِ افلاک ہو
دشت پیاسے بیابانِ خطرناک ہو
اور کیا رکھے ہے اب ویدہٗ نمناک ہو
کوچِ یار میں باہر خس و خاشاک ہو
یاں عجبادے ہے کوئی کاسۂ تریاک ہو
کہ کھائینگے تری واں شرہ لولاک ہو

بلکہ دنیا کی نہ رکھ اسے صاحب اورک ہو
تھوڑی ہی عمر میں کس شے کی ہوس کچھ کوس
زور مجنوں سے کوئی پوچھے کہ کیا بھتی ہے
بھر گئے دامنِ نظارہ میں ترگس کے پھول
میں نکالوں ہوں قصہٴ ہو بگئے کی طرح
جب ملک شیشہ صبا نہو اسے زاہر تنگ
بہل مدینے میں زیارت کو تو انشا راضہ

۵

بلت میں تم تو خفا ہو گئے لو اور سنو
چھوڑ دینا وہ بھلا دیکھے تو اور سنو
تم تو سنو کہ لوری کچھ سنو اور سنو
ہے قسم مگو خرا نام لہ لو اور سنو

چھپانے کا تو مزہ تب ہے کہو اور سنو
تم کوئے جسے کچھ کیوں نہ کہے گا تم کو
یہ بھی انصاف ہے کچھ سوچو تو اپنے دل میں
اب تو کچھ اتنے خفا ہو کہ کہو جو مجھ سے

بات میری جو نہیں سنتے اکیلے دل کے
شکوہ مند آپ سے آشنا ہو سوا کیا دل

شیخ امام بخش ناسخ

ہر دین ہے مشرق آفتابِ دلجہاں کا
ازل سے دشمنی طاؤس و مارا پس میں رکھتے ہیں
شگفتہ مثل گل ہر فصل گل میں دلجہاں ہوئے ہیں
سیہ خانہ مراد وشن ہوا ویران ہونے سے
کھن کی جب سفیدی دیکھتا ہوں کچھ فرق میں
مراد برانہ مثل آئینہ معبودِ حیرت ہے
جنوں میں جگر کی شب ہاتھ دوڑتا ہے جب اپنا
ہر شمشیر قاتل کس قدر پیش تھا ناسخ

طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا
دل پہ دلا کر کہہ کر ہے عشق اس دوزخِ بچاں کا
بنا ہے کیا ہمارا کالبد خاک نکستیاں کا
کیا دیوار کے رخوں نے یاں عالم پڑناں کا
تو عالم یاد آتا ہے شبِ متاب ہجران کا
یقین ہر رخنہ دیوار پر ہے چشمِ حیران کا
کیا ہے چاک تاجیب سحر اپنے گریباں کا
کہ عالم ہر دوانِ غم پر تھا دوسے خنداں کا

از غم ہو چو نہ دلا مبتلا سے حرص
دنیا میں دردِ جگر کب تک پھرے حرص
دنیا کی سداں خاک آگ ہو غدا سے حرص
کونوں جو اپنے پاس طلب غلام نہیں
ہے کشتیِ نجات قناعت ہی غافر

ذلت بھی دوڑی آئی ہے نادان غدا سے حرص
یارِ قناعت آئے کہیں اور جاے حرص
اسی ہی اسے حرص رہتا اشتہار سے حرص
تدبر وہ کروں کہ کس سے ہو غصے حرص
دوڑی کے بجز غم میں جی رہی شمس سے حرص

یہ یقین ہے کہ غم آئے ہی کامل ہوگا
ظاہرِ قبلہ نما کا میکہ بسمل ہوگا

باد ہے جوہرِ شہیدِ متابی ہوگا
آپ آئی نہیں غم سے خدا ہے جس کا

مردم چشم ملاک میں ترے خال سیاہ
 شمس جالیں تجھے منہم تجھے اور اسکو قر
 غافلہ نشہ دولت سے نہ اتنا بہکو
 آسمان کو نہ بہت ناز سے دیکھ او عالم
 آہنس ہے مجھکو عبث لالہ رنوں سے ناسخ

میر حیدر علی شمس

باغ عالم میں نہیں کون ثنا خواں تیرا
 کوئی تجھ سانہیں لائیاں ہے تو اے محبوب
 تو ہے مطلوب اے ادنیٰ ہو کہ اعلیٰ اس میں
 لالہ ہی کہ نہیں اے بار غلام داعی
 بات ہے مصلحت وقت نہیں تو سننے کی
 کون عالم میں ہے ایسا جو نہیں سر بسجود
 بار عالم میں ترے دم سے ہے اپنی ہستی
 جسے خاک سے ہے دشوار رسائی تجھ تک
 بانٹنا چاہے ہے دولت دو جہاں کی ای دوست
 عشق نے آنکھوں کو ریا د کھایا آخر
 تیرے اہل توکل سے کرم سے بھر دی
 کس پر رشک کا دیوانہ ہے تو ہی آتش

ذکر کرتا ہے ہر اک مینے خوش الحان تیرا
 حق تو یہ ہے کہ جو عاشق ہو تو انساں تیرا
 دم بھرا کرتا ہے مور اور سیلیاں تیرا
 سرو آزاد بھی ہے بندہ احسان تیرا
 عین حکمت ہے وہ جو کچھ کہے فرماں تیرا
 کہیں گردن کو جھکا تا نہیں جہاں تیرا
 چلتے ہیں سو نگہ کے ہم سبب آغواں تیرا
 گرد آکر نہیں چھو سکتی ہے داناں تیرا
 پاہتا تیرے ہوا کچھ نہیں خواہاں تیرا
 پردہ بلائی سے ہوا حسن نہ پہناں تیرا
 سیر نعمت سے دو عالم کی ہے مہاں تیرا
 پاک رہتا ہے میرے بار گریباں تیرا

ہوا ہے عشق کو اس کے طرب پا کر ہے پیدا
 کیا ہے نور کے بحر نکو حسن مذخک سے پیدا

یہ آئینہ ہوا ہے جو ہر ادراک سے پیدا
قضا نے کی ہے یہ تسبیح خاک پاک سے پیدا
یہ دورہ پھر نہ ہوگا گردشِ فلک سے پیدا
ہوئی ہے بویِ یوسف پار کی روشنائی سے پیدا
کہاں ہو سکتے ہیں ایسے نگینِ حناک سے پیدا
شفا ہوتی ہے کسی آستانِ خاک سے پیدا
مقدم میں حمد و ثناء ہو تو زہرِ خاک سے پیدا
کنارہ گور ہے اس کا جو ہر پرک سے پیدا
یہ مشقِ خاک ہو دے کہ لاکِ خاک سے پیدا

کلامِ صاف کو اپنے جوہر کیسے اس کو حیرت ہو
ہمارے غفلت میں وراثتِ ذکراتِ اقدس ہے
غینت ہی تھی مطلقہ احبابِ گردِ اپنے
دلِ حضرتِ یعقوب عاشق اس کو کہتے ہیں
دلِ صد بارہ کے ہر بارہ پر نقشِ محبت ہے
سیح سے ہمارے میسے مریم کو کیا نسبت
ہمز سے نیاروں کے حال سے ظاہر ہوا ہو
کنارہ بھر ہستی سے نہیں ہے جان سے گذرے
روا ہے آتشِ خستہ یہی ہے روزِ محشر کو

۳

منزلِ ہزارِ سخت ہو بہت نہ بارِ یے
پھیلا چنے نہ باغِ نہ دامنِ پہاڑِ یے
زور کی طبع سے جھانٹتے ہیں خاکِ بارِ یے
کوئی آشنا سے حال ہے کہ کس کو کچاڑِ یے
بس خاک میں ملا چکے چلے سدھارِ یے
شیشہِ خدا جو دے تو پری کو آمارِ یے

مرتب سے سناں کٹائیے پر دم مارِ یے
مستوم کا جو سے سے وہ ہو چکا ہے
طالب کو اپنے رکھتی ہے دنیا ذلیل و خوار
سناں سے غریبی ہے صواب سے خار ہے
نمِ فاختہ بھی پڑھ چکے ہم دفن بھی ہو
تا کہ روں کو شرط ہے آتشِ خیالِ یار

۴

بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے
لے لے راہ میں کارواں کیسے کیسے
بٹے نامیوں کے نشان کیسے کیسے
خوشی پھرتے ہیں باغیاں کیسے کیسے

زمینِ حرمِ گل کھلاتی ہے کیا کیا
عجب کیا چھتا روح سے جامہ تن
نہ گورِ سکندر نہ ہے قبر دارا
ہمارے گلستاں کی ہے آمد آمد

توجہ نے تیری ہمارے مسیحا
دل و دیدہ اہل عالم میں گھر سے
غم و غصہ و سچ و اندوہ و سواں
کر کے جس قدر شکر نعمت وہ کم ہے

تو آئے کئے تا تو اس کیسے کیسے
تھارے لئے ہیں مکاں کیسے کیسے
ہمارے بھی میں مہرباں کیسے کیسے
موسے ٹوٹتی ہے زباں کیسے کیسے

شیخ محمد ابراہیم ذوق

کسی بیکس کو اسے بیدار کر مارا تو کیا لا
بڑے موڈی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا
نہ مارا آپ کو جو خاک ہو اکسیر بن جانا
ہنسی کے ساتھ یاں رفا ہے مثل قفل مینا
گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نکرے میں
دل پر خواہ میں تھا مارا یا چشم بد میں

جو آپ ہی مر رہا ہو اسکو گر مارا تو کیا لا
ننگ و اشد ماؤ شیر نہ مارا تو کیا لا
اگر پارے کو اسے اکسیر گر مارا تو کیا لا
کسی نے تھقہ اسے بے خبر مارا تو کیا لا
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا لا
فلک پر ذوق تیسرا آہ گر مارا تو کیا لا

پاک رکھ اپنا دہاں ذکر خدا سے پاک سے
جب بنی تیر حوادث کی کسان افلاک سے
جس طرح دیکھے قفس سے باغ کو مرغ اسیر
تیرے حیدر نیم جاں کی جاں مکمل کس طرح
آفتاب حشر ہے یارب کہ نکلا گرم گرم
چشم کو بے پردہ ہو کس طرح نظارہ نصیب
عجب ذاتی کو چھپا بیگانہ حسن عار معنی

کم نہیں ہرگز زباں صفحہ میں تیرے سواک سے
خاک کا تودہ بنا انسان کی مشقت خاک سے
جھاکتا ہے دل تجھے یوں سینہ مصداک سے
یہ تو وابستہ ہے تیرے دامن فداک سے
اشکِ خونیں دل جلیوں کے دیدہ ننگ سے
کرمادہ چہ درخشیں پر تو ہے اوراک سے
زیب بجا غلام کو ہو ذوق کیا پوشاک سے

کیا غرض لاکھ خدائی میں ہوں دولت والے
رہے جوں بیشمار ساعت وہ مکر و دھونوں
حوص کے پیٹتے ہیں پاؤں بقدر وسعت
کیا تماشا ہے کہ مغل سے نوویکے فردغ
کبھی افسوس ہے آتا کبھی رونا آتا
ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اسے قوت

۴۷
زہیں یہ نور کہ کرنے سے صلابت اظہار روشنی ہے
بشر جو اس تیر و خاکواں میں پڑا ہے اسکی فروغی ہے
ہوئے میں بزرگ عزامت سے اسقدر آئین دریں
ہوئے ہیں اس اپنی سادگی سے ہم آشتا جنگ ناٹکی
لگا کر اس جنگ میں کوئل یہ ہے طالع شکست غافل
نہیں چاند کو خواہش زردہ غلطی میں بھی ہے تیر
کہنی ہے کافر کوئی مسماں جواہر کی کہ چہ لہ لہا

کہ میں جو درویشمیرا نکلا فردغ ان کی فروغی ہے
وگر نہ قدر لی عرف میں بھی ایک جوتے کی روشنی ہے
کو میری ترومانی کے آگے حق عرق پگھلائی ہے
اگر نہویہ تو پھر کسی سے نہ دوستی ہے نہ دشمنی ہے
کہ کیسا ہی کوئی خوش شامل غم ہے نہ غمستانی ہے
جہاں میں مانگو کہ یا اگر یہ بیشمار غم غنی ہے
ہو اسکے نزدیک رہی ہے وہ اسکے نزدیک رہتی ہے

ہمداد شاہ ظفر

مقدور کس کو حمد خدا ہے جمیل کا
پانی میں اُس نے راہبریا کی کلیم کی
اُس کی مدد سے فوج بابیل نے کیا
پیدا کیا وہ اُس نے بشر غوث بن حق
پھر تا ہے اُس کے حکم سے گردنوں پہ گادان

اس جاے بے زباں ہے ذہن قال قیل کا
آتش میں وہ ہوا چمن آرا خلیل کا
لشکر تباہ کعبہ ہے محاسب فیصل کا
پہل جس کی سابق پاسے ہمارا دروہیل کا
چلتا ہے یاں علی کوئی جزائیل کا

کہا پائے کثرت ذات کو اس کے کوئی ظہر
وہ عقل کا نہ دخل نہ ہرگز واصل کا

۲
یا مجھے افسر شاہانہ بنایا ہوتا
اپنا دیوانہ بنایا مجھے ہوتا تو نے
خاکساری کے لئے گرچہ بنایا تھا مجھے
کشتہ عشق کا گر حرف دیا تھا بھٹکے
دل صد چاک بنایا تو بلا سے لیکن
صوفیوں کے جوئے تھا لائق صحبت تو مجھے
تھا جلاتا ہی اگر دوری ساقی سے مجھے
شعلہ حسن چمن میں نہ دکھایا میں نے
روزِ سمور دنیا میں غرابی ہے ظہر

۳
استاد اپنے جامے سے باہر نکل کے چل
کم ظرف پر غرور دوا اپنا ظرف دیکھ
فرصت ہے اک صدا کی یہاں سوز دل کے سا
یہ غول ویش ہیں ان کو سمجھ تو نہ رہنا
اوروں کے بل پہ بل نکر اتنا چل نکل
انسان کو کل کا پھلا بنایا ہے اس نے آپ
پیرا گھیس بھی تو دیں ہیں کہ رکھ دیکھ کر دم
جو امتحان طبع کرے اپنا اسے ظہر

دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل
مانند جوشِ حم نہ زیادہ آبل کے چل
اچھر سپندوار ان استنا مچھل کے چل
سائے سے نک کے اہل فریب و دخل کے چل
بل ہے تو بل کے بل ہو تو کچھ اپنے بل کے چل
اور آپ ہی وہ کہتا ہے سنبھل کے چل
کہتا ہے کون تیکو نہ چل چل سنبھل کے چل
تو کہد و طور پہ تو اس غنسر ل کے چل

وہاں کی غلطی اسے واسے قسمت ہو تو کیونکر ہو
 بجز رونے کے ہاں چشم عنایت ہو تو کیونکر ہو
 جہاں ہر نفس سدا بہر حق جہاں شیطان ہر نفس
 غرور جہاں نے ہر نفس وہ مغرور جہاں میں ہر نفس
 مگراں باقی گناہوں کی اٹھائے سرسبز ہستی
 تیر جب کہ ہوا اعمال بد کا حال بد اپنا
 ہو جس گئی ہے چل یاں سے گئے ہے سرسبز ہستی
 برنگ طائر تصویر ہوں میں دام حیرت میں
 وہ بہت ہی سے ہو سکتا ہے جو بہ کام بہت کا

فشی امیر احمد امیر مینا

بندہ نوازیوں پہ خدائے کریم تھا
 باتیں بھی کیں خدائے دکھایا جانی بھی
 دنیا میں کچھ قیام نہ سمجھو کرونیات
 دنیا کا حال اہل عدم ہے یہ مختصر
 ہم اپنی دین میں مست تھے کیا جانیں حشر
 سامان عضو کیا میں کہوں مخمیر یہ ہے
 کرتا میں درد مند غلیبوں سے کیا جوتا
 جسد تھا میں چین میں ہوا خواہ گل امیر

کرتا نہ میں گنہ تو گناہ عظیم تھا
 اللہ کیا نصیب جناب کلیم تھا
 اس گھر میں تم سے پہلے بھی کوئی مشیر تھا
 ایک دو قدم کا کوچہ امید و بیم تھا
 کس سمت کو جہاں تھا کدھر کو جیم تھا
 بندہ گنہ پر نگار تھا خالق کریم تھا
 جس نے دیا تھا درد بڑا وہ حکیم تھا
 نام صبا کہیں نہ نشان نسیم تھا

۲

سیاحن دھرم پوچھو نہ میری بربادی
 برنگ بوا دھرایا اودھر روانہ ہوا

اودھ دیا کہ اودھ داخل خزانہ ہوا
پڑا جو دلع جگر میں چلے خانہ ہوا
گرا جو آنکھ سے موتی ڈر گیا نہ ہوا
مگر نصیب نہ دو روز آٹھیا نہ ہوا
امیر ٹوٹ کے دل گویا بھگانا ہوا

پہرے تھے یہاں ہی ہم بھی خوش خوش کھڑے ہیں
دو چار دن سفر میں دو چار دن وطن میں
غافل ہے یہ زمینا بہت کے بیٹوں میں
اک طرح ہے سہوہ بھی خاموش انجمن میں
ٹھہرے مسافروں دو چار دن وطن میں
ہر پہل سے لپٹ کر روتا ہوئے ہیں چمن میں
تصور اپنی بھیجوں احباب کو وطن میں
غربت سے خاک آٹا تے جلتے ہیں ہم وطن میں
ماندگی ازل سے ہے چاک ہر یون میں

یار کا گھر یہ اگر ہے تو وہ گھر کس کا ہے
پتے کیا ہائے دنیا سے سفر کس کا ہے
خاکساری کا نہیں تو یہ سفر کس کا ہے
سخت دلوں میں خدا جانے سفر کس کا ہے
آنکھ گھونے ہوئے شاہیں نظر کس کا ہے

خدا کی راہ میں دنیا ہے گھر کا بھر لینا
ہوا فروغ جو مجھ کو غم زمانہ ہوا
جب آئی جوش میں میرے کہیں کی حرکت
چٹھے مہینوں ہی تھکے عزیز بھیل نے
اٹھائے صدمے پہ صدمے تو تہہ پائی

ہے باغ باغ بلبل جس طرح توچن میں
آدوارہ کے ہم نے لاکھ عمر کا ہے
ظاہر ہے جان اس کے ہے پیر زائل دنیا
حال بدن کہیں کیا دل ہی بچھا ہوا ہے
یاروں سے اُس کیسا غربت میں عمر گدھا
تالوں کو شل بنم چھپ چھپ کے باغیاں
غربت میں ہے جو صورت خط میں کھوں کھوں
سفر سفید سر پہ تیار ہی عدم ہے
موت امیر اپنی کچھ آج سے نہیں ہے

جیر میں کون ہے کبھی میں گور کس کا ہے
خوشیوں نے قضا کی ہوئے بیمار صحیح
ہوائے لی نہ کہ نشینی سے ہوئی نشو و نما
کوئی آتا ہے عدم سے تو کوئی جاتا ہے
بچھپ رہا ہے عکس ش میں جو ہر طاؤل

گنول کر منہ کو دے گور میں مانند عروس
 نام شاعر سہی شعر کا مضمون ہو خوب
 بولی عبرت کہ ذرا دیکھ یہ گھر کس کا ہے
 شوقی ہوتا ہے عمارت کا تو مجھ سے برت
 کہتی ہے گور چھٹکا کے کہ یہ گھر کس کا ہے
 میری حیرت کا یہ باعث ہے غیبِ دل امیر
 سر بزانو ہوں کہ زانو پہ یہ سر کس کا ہے

نواب مرزا خال داغ

سبن ایسا پڑھا دیا تو نے
 ہم بکتے ہوئے زمانے سے
 دل سے سب کچھ بھلا دیا تو نے
 کام ایسا ریسکا دیا تو نے
 دل بے مدعا دیا تو نے
 کیا کہوں میں کہ کیا دیا تو نے
 بے غرض جو دیا دیا تو نے
 دوست کو یوں بچا دیا تو نے
 نفسِ جاں فسزا دیا تو نے
 نورِ خود شید کا دیا تو نے
 دلکش و خوشام دیا تو نے
 کبھی پردہ اٹھا دیا تو نے
 اُس سے محکوم دیا تو نے
 محکوم وہ رہنا دیا تو نے
 نقشہ ایسا جما دیا تو نے
 خوب رستے لگا دیا تو نے
 تو جہنم کو کیا دیا تو نے
 سبن ایسا پڑھا دیا تو نے
 ہم بکتے ہوئے زمانے سے
 دل بے مدعا دیا تو نے
 کیا کہوں میں کہ کیا دیا تو نے
 بے غرض جو دیا دیا تو نے
 دوست کو یوں بچا دیا تو نے
 نفسِ جاں فسزا دیا تو نے
 نورِ خود شید کا دیا تو نے
 دلکش و خوشام دیا تو نے
 کبھی پردہ اٹھا دیا تو نے
 اُس سے محکوم دیا تو نے
 محکوم وہ رہنا دیا تو نے
 نقشہ ایسا جما دیا تو نے
 خوب رستے لگا دیا تو نے
 تو جہنم کو کیا دیا تو نے

فاسخ کو کون دینے والا تھا جو دیا اسے خدا دیا تو ۲

یارب ہے بخش دینا بندے کو کلام تیرا
جہنگ ہے دل بھل میں مردم ہے یاد تیری
ہے تو ہی دینے والا ہستی سے سے بلندی
مردم کیوں وہیں میں جی بھر کے کیوں دلوں
یہ فاسخ بھی نہ ہوگا میرے سوا کس کا

شہاتِ بحرِ فنا میں اپنا فقط مثالی حباب بکھا
ہماری آنکھوں نے بھی تماشا عجیب بکھا تھا بکھا
سرورِ عیش و نشاط کیسے پہلی گئے رنگ ہی جہاں کے

اب دل ہے مقامِ بیکسی کا
جو دم ہے وہ ہے بسا غنیمت
آغاز کو کون پوچھتا ہے
کتے ہیں اسے زبانِ اردو
یوں گھر نہ تباہ ہو کسی کا
سارا سوچا ہے اپنے جی کا
انجام اچھا ہو آدمی کا
جس میں نہ ہو رنگِ فخری کا

یہ سہل ٹیٹنا ایسا محبت ہو ہی جاتی ہے
اگر کیسا ہی مضطر ہو قناعت ہو ہی جاتی ہے
کہ ان باتوں سے اے ناول کردت ہو ہی جاتی ہے

فسردہ دل کبھی خلوت نہ آجین میں رہے
سارہو کے رہے ہم تو جس جہن میں رہے
لے جو بے وطنی میں ذرا بھی آسائش
عشق جا کے عین میں گہرین میں رہے
سافرت میں جب اکام پاؤ گے اسے قانع
کہ تم سفر میں رہو آسماں وطن میں رہے

غم اٹھانے کے واسطے دم ہے
زنگ ہے اگر تو کیا غم ہے
کتنے ہو کچھ کہو کہوں کیا خاک
جانتا ہوں مزاج برہم ہے
اک جہاں حسیں ہوا تو کیا
مہرانی تھی مستقیم ہے

کاش میں ہرے ہو کے شجر لائے ثمر بھی
اے بادش رحمت کوئی چھینٹا تو اور بھی
اک چیز ہے اس عالم ہستی میں بشر بھی
دنیا کا طلبکار بھی دنیا سے حذر بھی
ہوتی ہے دعا کا فرد و نیاز کی مقبول
اللہ کی سیکار میں بٹتا ہے اثر بھی

منشی امیر اللہ تسلیم

نہ ہو گا حشر میں کوئی کسی کا
بھروسا ہے تو اپنی بیکس کا
رولتا ہے مجھے کیوں استدر رحمت
پنا تھا نام میں نے کب کبھی کا
سدا گریاں رہا مانڈ شبنم
نہ کچھ دنیا میں رکھتا ہوں دین میں
نہ کچھ دنیا میں رکھتا ہوں دین میں
خیال کیا جری رحمت کا جس دم
جگر پانی ہوا تر حامی کا
تہی خاکی کو بھی چھوڑا لحد میں
خیال کیا جو حیدر بیکسی کا
مرا جو نالہ موزوں ہے تسلیم
تصدق ہے نسیم دلہوی کا

یہاں گلابی نظر ہے قدم پڑ جائے چلو
خدا کے واسطے استاء منہ اٹھائے چلو
مجھے بھی ہاتھ ذرا دوستوں لگائے چلو
اُدھر سے لینے کو چیک قضا جائے چلو
دہان کی بگڑی ہوئی کچھ نہیں پائے چلو
سمندر عمر رواں کو ذرا دبا لے چلو
جو ہو سکے کوئی سینے پہ تیر کھائے چلو

کہ نہ دیر جہاں میں جہاں سے آئے چلو
یہاں فریادِ فقیہ و فرازِ اکثر ہے
شکستہ پا ہوں کہیں ساتھ سے نہ رہا ہوں
ہیوشہ فلکِ عدم کے بنے رہو سفری
ابھی تو حُسنِ غزل کا زمانہ باقی ہے
اُدھر اُدھر کہیں بھر کر تارا رہ جائے چلو
عدم میں ترسوئے دردِ جگر کو اسے تسلیم

جھانسنے دل کی گلی کو جگر نہیں آتا
حِزار میں کوئی لینے جسہ نہیں آتا
یہ دیکھنے کی ہیں آنکھیں نظر نہیں آتا
خبر نہیں کہ وہاں کام زر نہیں آتا
مگر یہ عیب ہے کوئی ہمز نہیں آتا
کسی کو رحم مرے حال پہ نہیں آتا
کہ اشکِ دیدہ تری جوش پہ نہیں آتا
صدق کے کام کسی دن نہیں آتا
وہاں جہاں میں کوئی نقشہ نہیں آتا
یہ کام وہ ہے کہ جو عمر بھر نہیں آتا

قریب کام بڑے وقت پر نہیں آتا
کہاں گئے جو حیات پہ جان دیتے تھے
حجابِ دیدہ رنگس سے بارغ میں نہ کرو
مُحِب کو نشا دولت میں بھولے میں متعم
جہاں میں صورتِ تصویر ہوں میرا خوب
وہ شمع ہند کہ جلاتے ہیں دوست دشمن سب
خیالِ گر یہ بھی تاک ہے ہر دھوکاں کو
نیالِ غلام ہے اپنے سے منتفع ہوتا
اہلِ خفا ہے فلکِ ملکہ قریں و غریب
ابھی سے کیا کریں دعویٰ شاعریِ تسلیم

مولوی الطاف حسین حالی

قبضہ ہو دلوں پر کیا اور جس سے سونپا
ہر بندہ کا فرماں سہمہ تہہ کرا تیرا

بندہ سے مگر ہو گا حق کیونکہ ادا تیرا
کچھ کہ نہ سکا جہریاں بھید کھلا تیرا
کمال میں گن اپنی رہتا ہے گدا تیرا
ہیں خیر و سرکش بھی دم بھرتے نذا تیرا
جو رنج و محبت میں کرتے ہیں گلا تیرا
جو شکر نہیں کرتے نعمت پہ ادا تیرا
جس قوم نے رکھا ہے انکار دوا تیرا
عصیل میں ہے طاعت سے اقرار تیرا
گر گھر لئے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا
کچھ رنگ بیل نکالی ہے سب جدا تیرا

گو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا
محرم بھی ہے ایسا ہی جیسا کہ ہے ناخبر
چنتا نہیں نظروں میں یاں خلعتِ سلطانی
عظمت تیری مانے ہوں کچھ بن نہیں آتی
تو ہی نظر آتا ہے ہر شے پہ محیط اُن کو
نقش میں وہ احساں کے سر شد ہیں اور سجود
جھکا ہے پسہ ننگو اور ملک کی سرحد سے
طاقت سے اوپ تیرا عصیاں سے ہے گوبر
آفاق میں پہیلے گی کوبک نہ تنک تیری
بر بول ترا دل سے ملکر کے گذرتا ہے

۲

باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا
ہر دل پہ پھار رہا ہے رعبِ جمال تیرا
جو حل ہوا نہوگا وہ ہے سوال تیرا
لئے سے بھی سوا ہے چھٹنا محال تیرا
لیکن ملا نہ ہرگز دل سے خیال تیرا
پھیلا ہوا ہے ہر سو عالم میں جال تیرا
آنکھوں میں بس رہا ہے جن کی جمال تیرا
دل ہے سحر چیز تیری جاں ہے سوال تیرا
رکھتی ہے آسراں جو پیر زال تیرا
یار کبھی نہ پاسے زخمِ اعمال تیرا

کمال ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو شکست
کاوش میں ہے الہی دگدا میں ہے طبعی
چھوٹے ہوئے ہیں گو بڑے پرول بندے ہوئے ہیں
گو حکم تیرے لاکھوں یاں تالتے رہے ہیں
پھندے سے تیرے کیونکر جائے نکل کے کوئی
اُن کی نظر میں شوکت چنتی نہیں کسی کی
دل ہو کہ جاں تجھ سے کیونکہ عزیز رکھے
ہے پور زال سے دل اس کا قوی زیادہ
ہے پاس دوستوں کے تیری ہی نشان

بیگانگی میں حالی یہ رنگ آشنائی
سُخ سُن کے سر و مہین کے قل بل مال تیرا

۳
جہاں میں حالی کی یہ اپنے سوا بھر و سنا کیجے گا
ہو لاکھ غریب کا غیر کوئی غنا سنا اس کو غیر ہرگز
سناتا ہے صوفی کا قول ہے یہ کہ ہے الفت میں کفر و کفر
ہاکی میں ہے خیر حضرت دل کہ یا رہنموا ہوا ہے ہر کو
سنے اگر کوئی تم کو دعا کہ کہتے کچھ اور کرتے ہو کچھ
انماں ہے نصیر بگالی - نہیں ملاپ ان میں حرکت و
رنگ و نرم میں نہ لاگ زہد نہ دہد الفت کی آگ زہد
تھا و غنا و ستار حالی اور اپنے بیگانے کا رضا جو

۴
نفس دعوے بیگانہ ہی کا سدا کرتا رہا
حق نے احسان میں نہ کی اور میں نے کفران میں کی
جو یوں سے دیدہ و دل کی نہ شریا کی بھی
ظاہریوں کی دوسرے بیخ کر چلا رہا خطا
نفس میں جو ناروا خواہش بھائی پہلے بھی
متحد نہ دیکھیں دوست پھر میل اگر جانیں کریں
تھا نہ آتھائی تمہیں پہ نسی تمہیں سدا
شہرت اپنی جستہر بڑھتی تھی آفاق میں
ایک عالم سے وفا کی تو نے اسے حالی مگر

گرچہ اترے جی سے دل اکثر ابا کرتا رہا
وہ عطا کرتا رہا اور میں خطا کرتا رہا
چپکے چپکے نفس خائن کا کما کرتا رہا
دار آن کا اس نے اکثر خطا کرتا رہا
اسکو چلے دل سے گڑھ گڑھ کر رہا کرتا رہا
آن سے کیا کرتا رہا اور آپ کیا کرتا رہا
حق ہے جو دہل جاتی کا وہ ادا کرتا رہا
کبر و شہرت اپنی یاں نشو و نما کرتا رہا
نفس پہ اپنے سدا ظالم جفا کرتا رہا

کہک و قری میں ہے جگہ کہ کہن کرکا ہے
 فیصلہ گردنِ دوراں نے کیا ہے تلو بہ
 دم سے یوسف کے جب کلاو تھا یقو کا گھر
 مسکن اس سے سلطان نہ بھی دیکھو
 واعظ اک عیب سے تو پاک ہے یا فاضل
 آنکھ پٹی ہے ہر اک اہل نظر کی تم پر
 عشقِ ادھر عقلِ ادھر دامن میں چلے ہیں تیری
 شان دیکھیں نہیں گرتوں کہن میں اس کی
 ہیں نصیب میں مثلِ واعظ و حالی دونوں

ستید اکبر حسین صاحب اکبر

خورشاد کرتے ہیں فہو کی اور آپس میں ملتے ہیں
 ہرگزوں سے عدوت دوستی بلاوہ فراروں سے
 تھکتے غلو اہل زمیں پر جگہ آتا ہے
 ہمارا جوش میں آنا دکھائی دیکھا نگ اپنا
 حیرت آپ کی غزلوں میں آتا ہے مجھے اکبر

ترہب ہی سے حفاظت قوی ہے اسے عزیز
 استاہی آدمی میں سمجھے کمالی نعم
 جو کام آئے میرے کہیں اس طرف کوئی
 ہرگز اس انجمن کو نہ سمجھو مہم قوم
 نادان ہے کواڑاٹھاوے جو چول سے
 جتنا کہ احتراز کرے وہ ضرور سے
 تخصیص سروے ہے نہ حشمت بول سے
 خالی ہے جو ذکرِ خدا و رسول سے

۳

تسکین دل اس بزم میں دہندہ بنائی
سنی سے سزا نظر آیا مجھے ہر نقش
خو اس پہ بحر حقیقت کے ہمیشہ
دیکھی نہ کوئی بات سوا نام کے اس میں
یاد دل پر خم میں کی ہوئی کچھ اس سے
ملک کا ادب اٹھ گیا جس قوم کے دل سے

چاہا تھا مکمل جاہیں مگر راہ نہ پائی
آنکھوں نے کوئی صورت دکھانہ پائی
فکر حکمائے بھی مگر تھاد نہ پائی
کچھ لذت شان و حشم و جاہ نہ پائی
فریاد کی طاقت بھی مگر آہ نہ پائی
اقبال کی سمت اس نے کبھی راہ نہ پائی

۴

مفتوں ہو گئے ہم اس بے بقا چین کے
ہستی کو اپنی سمجھیں بنیاد اپنی دیکھیں
گوئی بہت ہے اس میں فریاد بیکسوں کی
قرت میں عمر گزری ہم و نشین نہ پوچھو
تھی نیک سی تیری اسے باد صبح کا ہی

آنکھوں میں خاک ڈالی مٹی نے پھول بن کے
اٹھے جو ہیں بگولے بریاد ہوں گے بن کے
مکڑے اڑ چکے اک دن اس گنبد گمن بن کے
نقشے بھی ذہن میں اب باقی نہیں رہے
تجلیو کیا معطر کلیوں نے پھول بن کے

۵

آئینہ رکھ دے بہار غفلت اغوا ہو چکی
خاموشی کی عربی پر بھی لازم ہے نظر
بیخودی کی دیکھ لذت کر کے ترک کر دو
سحر مطلق کے تصور سے بھی لے دو ایک جہم
چل بے بلائی ہم اٹھ گئے پیارے عزیز

دل سنوار اپنا جوانی خود آرا ہو چکی
زینت و کامیابی قصر عجب ہو چکی
ہم ہو چکی حد ہوس مغنی تمنا ہو چکی
نور زیا ہو چکا زلف چلیا ہو چکی
آخرت کی آب کر اکبر نگار دنیا ہو چکی

ترکیب بند

ترکیب بند۔ چند اشعار جس کا وزن و قافیہ یکساں ہو غزل کے مقرر پر لکھ کر اٹھ

اس ایک شرمناک واقعہ میں کا تعلق اور روایت جہاں ان سب کا نام بند ہے
اگر ایسے کئی بند تھے تو اگر ہر بند کا شعر آتو وہی کر لایا جائے اس کو صحیح بند
کہتے ہیں۔ اگر اخیر کا شعر ہر بند کا جداگانہ ہو تو اس کو ترکیب بند کہتے ہیں۔ بند کے اشار
پانچ سے کم ہو گیارہ سے زیادہ نہیں ہوتے۔

ایک پرندے کی فریاد

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ
وہ ساتھ سب کے اڑتا وہ سیر آسمان کی
پتوں کا ٹہنوں پر وہ جھومنا خوشی میں
آرزو دیاں کہاں وہ اب اپنے گھونٹے کی
تھی ہے پتہ دل پر آتا ہے یاد جس دم
وہ چیدی بیری صورت وہ کامنی سی موت
تھپا رہی ہے مجھ کو زہ کے یاد اس کی

زس قید کا کئی دیکھا اسکے سسناؤں

ڈر رہے تھے قفس میں میں غم سے مر رہے طاؤں

کیا بد نصیب تھوں میں گھر کو قفس رہا ہوں
آئی بہار کلیاں چوہوں کی ہنس رہی پی
باقول میں کھینے والے غنڈیاں مٹا رہے ہیں
آج انہیں صدائیں آتی ہیں کی غصے قفس میں

بہی جی رہاؤں سے کاش میرے بس میں

ارمان ہے یہ جی میں اڑ کر چھن کر جاؤں
یہی کی شرف چوہو دینا ہی پھر سیرا
شہنشاہ کی نگاہ کی بیٹیوں کو ہر دم کے گلاؤں
اس مجرمہ گھونٹے کو پھر چاک میں بساؤں

چنگتا پھروں میں دالے فورا ذرا سے ساقی جو میں پڑانے آنے لہوں ملاؤں
 پھروں پھر پھر ہوا سے پھر میر ہو دلی کی
 اڑتے پھریں خوشی سے کھائیں ہوا جن کی
 جب سے جن چٹا ہے یہ حال ہو گیا ہے دل غم کو کھارہا ہے
 گنا اسے سمجھ کر خوش ہوں نہ سنتے والے اکتے ہوئے دلوں کی فریاد یہ صدا ہے
 آزاد جس نے رہ کر دن اپنے ہوں گذرے اس کو بھلا خبر کیا یہ قید کیا بلا ہے
 آزاد مجھ کو روے او قید کر سنا والے
 میں بد نہاں ہوں قیدی تو چھوڑ کر کھالے اقبال - ایم اے

قطعات

قطعه ان مجموعہ اشعار کو کہتے ہیں جس میں فقط دوسرے مصرعوں میں قافیہ ہو۔ غزل یا قصیدہ سے اگر مطلع نکال ڈالیں تو قطعہ رہ جائیگا۔ اور قطعہ کے اشعار دو سے کم نہیں ہوتے۔ زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

میر محمد تقی میر

کل پاؤں ایک کاسہ سر پہ جو پڑ گیا کیسر وہ استخوان شکست سے چر گیا
 کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ دیجبر میں بھی کیسی کسی کا سر پہ غرور کیا
 پیاں ڈبل اور گل پہ توجہ سے آنکھ کھول کنگشت نہ سری نہیں اس گلستاں کا
 شکل یادگار چہرہ خوباں ہے بنے خبر مرغ چیں نغماں ہے کسی خوش زباں کا
 آشفقتہ

وہی عالم اچھا تھا آشفقتہ جس میں وجود و عدم کا نہ رنج و محن تھا

نہ اپنی کانہ و نشان تھا فورا کچھ
 نہ خون قیامت نہ قشوریں نہ نسا
 نہ ہم تھے نہ دل نہ ظم جان و تن تھا
 نہ دگر دور نہ سوداے گورو کھن تھا
 نہ دل تھا نہ اسکا یہ دیوانہ ہی تھا
 اہل سر پہ اہد و بدو گورو کھن تھا

نظیر اکبر آبادی

عجب سیر کی نظیر میں چین کی
 ابھی یک دگر تھے سنبھل و نکل
 ابھی وصل تھا دگر گس و نشتر کا
 ابھی تھا ہم جوش سروسن کا
 ابھی شور تھا قمری انور دن کا
 کہ نام و نشان بھی نہ تھا جل چکا
 کچھ بھر کے پھر بعد دیکھا یہ عالم

سودا

گنہ ناگہ جو میرا بھلا شہر خرمشاں میں
 کہیں آئینہ زار سکندر کا شکستہ تھا
 عجب نقشہ نظر آیا وہاں شاہان عالم کا
 کسی جانب بڑا تھا کاسٹہ سرخاک میں ہم کا

سودا

یہ برادر یہ پدر یہ خوشی یہ فرزند ہیں
 شو جھتا اتنا نہیں ہم خاک کے پوند ہیں
 یہ تیر نہیں دیکھتے تھے اپنی آنکھوں سے روز
 تو ابھی ٹھوکر مار کر چلے ہیں رعنائی سے یاد

سودا

سے سیر کوی مہر حرکت سے عذر
 ایک گلی ابھی حرامخ نہ ہوا چلتے وقت
 بے نہایت نظر آیا یہ شکشاں مجکو
 خداتے بھی نہ رکھا کھینچ کے داماں مجکو

ظفر

عاشق ہو کہ شو تر کو سفر میں کچھ سود
 ایک سبب جانتا ہو دنیا سے مٹوے ملک سود
 سماعت نیک مہتر سے نگر پوچھتے ہو
 نہ کوئی دن نہ کہ وقت سطر پوچھتے ہو

ذوق

تو بھلا ہے تو ہوا ہو نہیں سکتا اسے ذوق ہے بنادہ ہی جو تھک بوا جانتا ہے
اور اگر تو ہی بنا ہے تو وہ ہی کتا ہے کیوں برا کہنے سے تو اسکے برا ہوتا ہے

مومن

جب کما میں نے کہ تم بیداد گر نا آشنا ہے مروت ہے وفا بیگانہ اجباب ہو
ہنکے فرمایا کہ میں تو خیر جو کچھ ہوں سو ہوں تم بھی تو بے چین اور بے صبر ہو متا بوا ہو

مصطفیٰ

خسرو کے سر پہ وہ نہ رہا تاج خسروی نے رہنما وہ چہر فلک سلاہی ہم کے ساتھ
کیسی اب انکی دھوپ میں جنتی ہیں ترہیں ساسے میں یاں پہلے تھے جو ناز و نعم کے ساتھ

انسخ

جسم یوں روح سے لگا کہنے جس سے جب ہو کے بیقرار چلی
چھوٹ کر ساتھ ایک عمر کا آج جیت اسے جان غمگسار چلی

قرباب

مگے ہم اسی نفس کے میں اسی حسرت میں ہم جانے گئے
وہ حسرت قرباب بار دگر پھر نہ آئے جو کوئی یوں سے گئے

سودا

اگر روز سیر گو غریباں کو میں گیا یعنی وہاں ہندگوں کی اکثر مزار ہے
دیکھا تو ایک گور پر ترس ہے ترسوں پوچھا تو میں نے اس کو کہ تو پتہ نہ دے
اس نے کہا سیر تو ترس مجھے نہ جان آنکھیں میں اسی کی ہیں کہ یہ جلا درجہ
جب میں کہا کہ میری طرح سرنگوں چہ کیوں اور مقصد یہ کہیں کا مجھے اشتیاق ہے
نہا لیا اس نے مجھ سے کہا سنی اسے بخت یہ بات تو ہر ایک کے اوپر آشکار ہے

عاشق تھا ایک کاغذ ہے پیر کا یہ شخص ایک اسی کا اس کے تئیں انتظار ہے
 ستودہ نغمے تھیں ہوا تب ستی کہ آہ عاشق کو بعد مرگ کے بھی انتظار ہے

مثنویات

مثنوی۔ سنت میں مثنوی کے سنی میں دو ڈو کیا گیا۔ اصطلاح میں اس نظم کہتے ہیں
 جس کے ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم کافیہ ہوں۔ اور اس کے تمام اشعار مسلسل ہوں۔

حمید باری تعالیٰ

ہے کج دماغ آسمان پر	اللہ کی حمد ہے زباں پر
کونیں کے دو ورق ہوں کانے	وصف اس کے لکھیں جو کہنے والے
پتلی کو نظر نظر کو شخصیر	دی غنم کو زباں زباں کو تقریر
پہلو کو جسگر جسگر کو مار	گردوں کو قمر قمر کو ہال
دستے کو شہر شہر کو طاقا	کھانے کو دین وہی کو کھانا
دریا کو صحت صحت کو گوہر	پانی کو بھنور بھنور کو چنگر
لب کو دسپ خون حرق کو لب	سنب کو روز اور روز کو شب
ہانی کو رواں کیا رواں ہے	آندھی کو دواں کیا دواں ہے
دو ورقہ بلائے تھے میں روز	بھول اس نے بھلائے کھلتے ہی روز
بے دم ہوتا ہے جانے والا	بہ اسکا مقام بسکہ بالا
سر نہ پا رکھے چمک گیا سچ	خلمہ یہ چمکے کہ رنگ گیا ہے

ترجمہ سنی

مناجات

خدا یا دے تو اپنے عشق کا وہ عتاب کر دل گرم و دم سو

محبت کا دے اپنی دل پر
 مغمم دل میں شراب درد بھر دے
 عشق میں کر اپنے اس قدر غرق
 عطا میرے تئیں کر یا اللہ
 کہ ملک عقل کو میں دیکھ برباد
 رہے روش مری یوں شمع ہستی
 مجھے کر عشق کے فخر سے دُسا
 زباں سے وہ سخن کر دے مرزا
 بساں شمع یہ دل آب کر دے
 چمن میں عشق کے باب ہمیشہ
 کرے یوں بلبل دل نالہ دار
 مجھے آتش کی دے یہ طاقت دیا
 تنہا ہے یہ ہر اک چشمِ زرد
 رواں رکھ تو مرے خام کو دہشت
 تری حمد اسے چمن آسا کساں ہو
 شناسنے کو تیری گل ہوا گوش
 جہاں اس بارغ میں اکبر ملاں ہو
 ٹر جہاں سے دیا تیں شاخ کے ہاں
 چمن کو دیکھ مرقان خوش آہنگ
 بہنور رنگ دیکھ تجھ منگتری کو
 سدا چہر بہر کے ہر اک پھول کے گرد
 بغیر از شمع ہے تاریک یہ گھر
 پیلے چشم کے لبریز کر دے
 نہ مجھ سے کفر و دیں میں ہو سکے ذوق
 جنوں کی مملکت کی بادشاہی
 کروں جا کوہ اور صحرا کو آباد
 کروں ہر آن جوں پروان ہستی
 تر پہنے کی حلاوت سے نہ رکھ باز
 رہے عشرت تک جس سے مرزا نام
 گماز تن سے لذت باب کر دے
 یہی میلا رہے تازہ نیست پیشہ
 کہ جوں طوطی ہوں خوں اورد منتظر
 کہ ہو جائے سمندر رشک سے آب
 کہ سنگ آبشار اب سینہ ہو دھڑ
 لکھنوں تا حمد میں بعد از مناجات
 اگر چوں سرو سر تپا زباں ہو
 زمین میں سوز بلیں غنچہ کی غاموش
 تو صبح اس کی تہی طبع لعل ہو
 زباں ہے شکر کی خاطر ہر اک بات
 کریں ہیں وصف تیر سب بہ رنگ
 نظر کر شدرن اور جعفری کو
 کیا کرتا ہے تیرے نام کا درد

جیسے بار کرم سے شلخ ہے خم
 چرخ شام کو ہر شب تری لو
 نہ تنہا خلق کی سرس و سنبلی
 عطا کی جیسے شبت خاک کو جاں
 رکھے ہے کام میں جب تک نہیں تو
 براے پوشش تن جی ہر حال
 ہمارے واسطے اے مہب معبود
 تم سے احسان بیاں کیا ہے ہوویں
 رکھے ہے کرم جب ہو موکم بدو
 رکھے ہے مجھ سے نیچ و ہمیں راہ
 سخن سننے کو تو نے بجھے ہیں گوش
 نہاں کی خلق منہ میں ہر گشتہ
 بیاں کیا کیجئے تیری عنایت
 کہ تہ معلوم ہو شام و صبح گاہ
 زبلیں کو فاضل سے دے ہے سکین

ہرے ہے بلبل بستان ترا دم
 نسیم صبح کو تیری تنگ و دو
 بنائی خلقت انسان ہر از گل
 فراواں ہے دم آب و لب نال
 تنگ گا ہے چکھوے گاہ شکر
 کبھی کھیل اڑاتا ہے کبھی شال
 کرم ماں باپ سے تیرا ہے افرو
 رہے بیدار تو بنوے جو سوویں
 پڑے گرمی تو دے ہے گوشہ سرو
 تری کیا ذات ہے اللہ اللہ
 سمجھنے کو دیا ہے فہم اور محوش
 کریں تا درد دل آپس میں اظہار
 دے میں چشم اور نور جہارت
 چلیں پستی بلندی دیکھ کر راہ
 کیا معلوم تو نے ترش و شیریں
 (سودا)

مثنوی ذوق

چاہئے نام اسی کا اے غلام
 ہے فلک اک نونہ قدس کا
 زینت نامہ زیب سر نامہ
 یا قلداں ہزار صنعت کا
 اور سپاہی کو پوشاک دی
 مرغ قرطاس کو صفحہ دی
 دیا قہمی کو مصرعہ نالہ
 مصرع قد سرد پیر بالہ

ساقیا جلد اٹھ درگم نہ کر
 طاق سے تو اتار لے غمیشہ
 شیشہ مے کی ۷ دراز زباں
 میں ہوں مانند سناخو لبریز
 جھوم جھوم ایسے بادل آنے لگے
 کر دے یاں تک مجھے نشہ میں چور
 دل کے سدا سے پھولے توڑیں میں
 شہب چراں بسر نہیں ہوتی
 بستر منج و کج تنہائی
 شمع سے حال ہے یہ صبح تلک
 کیوں نہیں بولتے سحر کے طیور
 جان بیتاب جیسے سبہ کل ہرن
 بے نصیب بھینٹ ہوئی عشق طاری
 دل سے رخصت ہے تاب طاقت کی
 بوس میر باغ ہے کس کو
 کاٹ کھائے کو روڑنا ہے گھر
 عرصہ مطلب کا دیکھ تنگ نہ کر
 طاق پر رکھ کتاب اندیشہ
 اور پھر ۷ ستم کہ پنبہ دہاں
 جاں لب جاں لب کو کیا پرہیز
 پاؤں تو بہ کے لڑکھانے لگے
 تاکر مانند خوشہ انگور
 نکت باقی کوئی نہ چھوڑوں میں
 نہیں ہوتی سحر نہیں ہوتی
 مات کیا آئی اک بلا آئی
 نہیں لگتی مری پلک سے پلک
 کیا شفق نے کھلا دیا سینہ
 وہ بھی گرم رد فتا کا لہر
 ایک فرقت ہزار بیماری
 بیماری نے استقامت کی
 دل ہے کسکو داغ ہے کسکو
 سب دوا بن گیا ہے گھر

شعری دریائے عشق میر تقی میر

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال
 دل میں جا کر کہیں یہ درد ہوا
 اُس کی ہر اک جگہ نئی ہے چال
 کہیں سینہ میں آہ سرد ہوا
 کہیں مسوں جنوں ہو کے رہا
 کہیں آنکھوں سے خون بہکے بہا

کہیں رونا ہوا ندامت کا
 گہر نہک اس کو داغ کا پایا
 داں چھیدن ہوا جگر کے بیچ
 کہیں آنسو کی ۲ ساریت ہے
 تھا کسو دل میں ملا جا کھا
 تھا کسو کی ہلک تمنا کی
 کہیں باعث ہے دل کی تگی کا
 کہیں اندوہ جان آگہ تھا
 کہیں عشاق کا غار ہوا
 ہے کہیں دل جگر کی بیتابی
 کسو چہرے کا رنگ نہ ہوا
 طور پر جا کے شعلہ پیشہ رہا
 کہیں گلزار میں لگائی آگ
 کبھو افغان مرغ گلشن تھا
 کسی مسلخ میں جا قتاہ ہوا
 ایک عالم میں درد مندی کی
 ایک دل سے آنکھ ہے ہو کر درد
 اک زمانے میں دل کی خواہش تھا
 کہیں بیٹھے ہے جی میں ہو کر چاہ
 نادر خاں دل غریباں ہے
 کبھی شہنوں ہے الہی اتم کا

آرزو تھا امیدواروں کی
 فکرم زخم سینہ ریشاں ہے
 حیرت آلود آہ تھا یہ کہیں
 کشش اس کی ہے ایک، اچھوٹا
 گون محروم بھل ماں سے گیا
 کام میں اپنے عشق پکا ہے
 عین کو ہو اس کی انگلیاں نصیب
 ایسی تقریب ڈھونڈ لانا ہے
 درد مندی جگر تنگواروں کی
 نگہ یاس ہر کیشاں ہے
 شوق کی اب نگاہ غما یہ کہیں
 ڈوبا عاشق تو یار بھی ڈوبا
 کہ دیار اس کا پھر جہاں سے نکلا
 ہاں یہ نیرنگ ساز پکا ہے
 ہے وہ مہلن چند دوزخِ غریب
 کہ وہ ناچار ہی سے جاتا ہے

حُب وطن

اے پہرہ بزمی کے ستارو
 اے پیازوں کی دلفریب فضا
 اے عتادل کے فخر سہری
 اے نسیم بشار کے بھجھو کو
 تم ہر ایک احوال میں ہو میں تسوین
 جب وطن میں ہمارا تھا رونا
 تم میری دل لگی کے سماں تھے
 تم سے گستا تھا پہنچ تپنا
 سن ایک اک تمہاری بھائی تھی
 کرتے تھے جب تم اپنی غمخواری
 جب ہوا کھانے باغ جاتے تھے
 اے فضا کے زمیں کے گلزارو
 اے لبِ جو کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
 اے غیبِ ماہتاب تاروں بھری
 دہرِ ناپائیدار کے دھوکو
 تھے وطن میں مگر کچھ اور ہی چیز
 تم سے دل باغ باغ تھا اپنا
 تم سے دودِ دل کے دماں تھے
 تم سے پاتا تھا دل مسکینائی
 جو ادا تھی وہ جی بھٹائی تھی
 دھوئی جاتی تھیں کلفیتیں ساری
 ہو کے خوشحال گھریں آتے تھے

بیٹھ جاتے تھے جب کبھی لب آب
 کوہ و صحرا و آسمان و زمین
 پر چھٹا جب سے اپنا ملک و دیار
 نہ نگوں کی ہوا خوش آتی ہے
 سیرگاشن ہے جی کا اک جنجال
 کوہ و صحرا سے تائب و ریا
 کیا ہوئے وہ دن اور وہ راتیں
 ہم ہی غربت میں ہو گئے کچھ اور
 گو وہی ہم ہیں اور وہی دنیا
 اسے وطن اسے ہرے بہشت بریا
 رات اور دن کا وہ سماں مریا
 تیری دہری ہے نور و آلام
 کاٹے کھانا ہے باغ بن تیرے
 سٹھ گیا نقش کا ملوان کا
 ہو گیا یاں تو دہری ولی میں چال
 سچ بتا تو سبھی کو بھاتا ہے
 میں ہی کرتا ہوں تجھ پر جان نثار
 کیا زمانے کو تو عزیز نہیں
 جنت و انسان کی حیات ہے تو
 ہے نباتات کو منو تجھ سے
 سب کو ہوتا ہے تجھ سے نشو و نما
 دھوکے اٹھتے تھے دل کے داغ شب
 سب مری دل لگی کی شکلیں تھیں
 جی ہوا تم سے خود بخود بیزار
 نہ خدا بلبلوں کی بھاتی ہے
 شب و صبا جان کو ہے وہاں
 جس طرف جائیں جی نہیں لگتا
 تم میں اگلی سی کب نہیں پائیں
 یا تمہارے ہی کچھ بدل گئے طور
 پر نہیں ہکو لطف دنیا کا
 کیا ہوئے تیرے آسمان و زمین
 وہ زمین اور وہ آسمان نہ رہا
 تیرے چھپنے سے چھٹ گیا آرام
 گل ہیں لظروں میں داغ بن سکر
 تجھ سے تھا لطف رنگانی کا
 تجھ بن ایک ایک پل ہے ایک کرل
 یا کہ مجھ سے ہی پیرا نانا ہے
 یا کہ دنیا ہے تیری عاشق زار
 اسے وطن تو تو ایسی چیز نہیں
 مرغ و مائی کی کائنات ہے تو
 نوکھ تجھ بن ہرے نہیں ہوتے
 سب کو بھاتی ہے تیری آب و ہوا

تیری اک مشہور خاک کے بدلے
 جان سب تک نہو بدن سے جدا
 حملہ جب قوم آریہ نے کیا
 ملک والے بہت سے کام آئے
 شہر کھلائے راکشس کھلائے
 گو غلامی کا لگ گیا دھتیا
 تھہرے دل وطن میں رہنے کی
 جب ملا عام چند کو بنی باس
 باپ کا حکم رکھ لیا سر پر
 پانوں آٹھتا تھا اس کا بن کی طرف
 گزرے غربت میں اس قدر وہل
 دیس کو بنی میں جی بھٹکتا رہا
 تیرا کہ دل میں آ کے گلتا تھا
 کئے پھوڑے بس ہوسے تھے محال
 ہوئے یغرب کی سمت جب راہی
 رشتے الفت کے سارے توڑ چلے
 گو وطن سے چلے تھے ہو کے خفا
 دل لگی کے بہت لے ماہاں
 دل میں آٹھوں ہر کھٹتے تھے
 گھر جناؤں سے جنگی چھوٹا تھا
 ہوئیں پوسٹ کی سختیاں جیادہ

لوں نہ ہرگز اگر بہشت لے
 کوئی دشمن نہو وطن سے جدا
 اور بجا اُن کا ہند میں ڈنکا
 جو بچے وہ غلام کھلائے
 رنج پر دیس کے گرنے اٹھائے
 چھٹا اُسے دیس پر نہ چھٹا
 پوچھے پر دیسیوں کے جی سے کوئی
 اور نکلا وطن سے ہو کے آواں
 پر چلا ساتھ لے کے داغِ جگر
 اور کھپتا تھا دل وطن کی طرف
 پر نہ بھولا اجودھیا کا خیال
 دلیں کانٹے سا ایک کھٹکتا رہا
 آئی تھی جب اجودھیا کی ہوا
 گویا ایک ایک جگ تھا ایک اک سال
 سید ابطنی کے ہمسرا بنی
 اور ہاتھ وطن کو چھوڑ چلے
 پر وطن میں تھا سب کا جی اُنکا
 پر نہ بھولے وطن کے رنگیں
 سگر پڑے زمیں بھلا گئے
 دل سے رشتہ نہ اٹکا ٹوٹا تھا
 اور ہوا ملک مصر پر مامور

مصر میں چار سو تھا حکمرانوں
 یاد کنگاں جب اس کو آئی تھی
 دیکھ اٹھائے تھے جس وطن میں سخت
 جن سے دیکھی تھی سخت بھری
 ہم بھی حبیب وطن میں گریں غرق
 ہم میں مہم وطن کے دیوانے
 جس نے یوسف کی داستان سنی
 مصر میں قحط جب پڑا آکر
 کر دیا ان پر وقت بیت المال
 کھتیاں اور کوٹھے کھول دئے
 قافے خالی ہاتھ آتے تھے
 یوں گئے تھے کہ وہ سال گذر
 اسے دل اسے بندہ وطن ہشیار
 او شراب خودی کے ستوالے
 نام ہے کیا اسی کا سمت وطن
 کبھی بچوں کا دھیان آتا ہے
 یاد آتا ہے اپنا شہر کبھی
 نقش ہے دل پہ کوچہ و بازار
 کیا وطن کی یہ محبت ہے
 اس میں انسان سے کم نہیں ہوندا
 مکر سے ہوتے ہیں سنگ غریب میں

آنکھ تھی جانبِ وطن نگراں
 سلطنت ساری بھول جاتی تھی
 تاج بھاتا تھا اس بغیر نہ تخت
 تو تھی ان بھائیوں کی دیکھ لگی
 ہم میں اور ان میں ہے گریزون
 وہ تھے اہل وطن کے پڑائے
 جانتا ہوگا رونداد اس کی
 اور ہوئی قوم بھوک سے مضطر
 لب تک آنے دیا نہ حرف سوال
 سخت سارے ذخیرے لٹل دئے
 اور بھر پوریاں سے جاتے تھے
 جیسے بچوں کی بھوک وقتِ سحر
 خواب غفلت سے ہو دما بیدار
 گھر کی چوکھٹ کے چومنے والے
 جس کی تجھ کو لگی ہوئی ہے گن
 کبھی یاروں کا غم ستانا ہے
 تو کبھی اہل شہر کی ہے لگی
 پھرتے آنکھوں میں ہیں درد و دل
 یہ بھی الفت میں کوئی الفت ہے
 اس سے خالی نہیں چہرہ و پرند
 سوکھ جاتے ہیں روکھ فرقت میں

ہا کے کابل میں آم کا پودا
 آ کے کابل سے یاں ہی وانا
 چھل جب چھوٹی ہے پانی سے
 آگ سے جب ہوا سمندر دور
 گھوڑے جب کھیت سے بچے ہیں
 گانے یا بھینس اونٹ یا بکری
 کئے حسب وطن اسی کو اگر
 ہے کوئی اپنی قوم کا ہمدرد
 جس پہ اطلاق آدمی ہو صحیح
 قوم پر کوئی زرد نہ دیکھ سکے
 قوم سے جان تک عزیز نہو
 بھگے ان کی خوشی کو راحت جان
 رنج کو ان کے سمجھے مایہ غم
 بھول جائے سب اپنی قدر میں
 جب پڑے ان پہ گردشِ اظہار
 بیٹھے بے فکر کیا ہو ہوموطنو
 مرد ہو تو کسی کے کام آؤ
 جب کوئی زندگی کا لطف چاہو
 پہنو جب کوئی عمدہ تر پوشاک
 کھانا کھاؤ تو جی میں تم شہاد
 کئے بھائی تمہارے ہیں نادار

کبھی پروان چڑھ نہیں سکتا
 ہو نہیں سکتے بارور زہار
 ہاتھ دھوتی ہے زندگی سے
 اس کو جینے کا پھر نہیں مقدر
 جان کے لئے آنکے پڑتے ہیں
 اپنے ٹھکانے خوش ہیں سبھی
 ہم سے حیوان نہیں ہیں کچھ کمتر
 نوح انسان کا جس کو بھلیں زور
 جس کو حیوان پہ مے کیسے ترجیح
 قوم کا حال بد نہ دیکھ سکے
 قوم سے بڑھ کے کوئی چیز نہو
 واں جو نور ہڈ ہو تو عید ہو یاں
 واں اگر سوگ ہو تو یاں ماتم
 دیکھ کر بھائیوں کو خوار و ذلیل
 اپنی آسائشوں پہ ڈال دے خاک
 آئینہ اہل وطن کے موت بنو
 ورنہ کھاد ہو جیلے بہاد
 دل کو دکھ بھائیوں کے یاد دلاؤ
 کرو دامن سے تاگر یاں چاک
 ٹھنڈا پانی پیو تو اٹک بہاد
 زندگی سے ہے جی کا دل بیزار

نوکروں کی تمھارے ہو ہے غذا
 جس پہ تم جو تہوں سے پھرتے ہو
 کھاؤ تو پہلے تو خبر اُن کی
 پہنو تو پہلے بھائیوں کو پٹھان
 ایک ڈالی کے سب ہیں برگ وثر
 سب کو ہے ایک اہل سے پیوند
 مقابلہ مدہوں کو یاد کرو
 جاگئے والو خالوں کو جگاؤ
 ہیں سب تم کو چشم و گوش ہر
 تم اگر ہاتھ پاؤں رکھتے ہو
 سہرستی کا شکر کیا ہے بتاؤ
 تم اگر چاہتے ہو ملک کی غیر
 ہو مسلمان اس میں یا ہندو
 جعفری ہووے یا کہ ہو حنفی
 سب کو میٹھی نگاہ سے دیکھو
 ملک ہیں اتفاق سے آزاد
 ہند میں اتفاق ہوتا اگر
 قوم جب اتفاق کھو میٹھی
 ایک کا ایک ہو گیا بدخواہ
 پھر گئے بھائیوں سے جب بھائی
 پاؤں اقبال کے اکھڑنے لگے

اُن کو وہ خواب میں نہیں ملتا
 واں میسر نہیں وہ لوڑنے کو
 جی پہ بتا ہے نیستی کی پڑی
 کہ ہے اُترن تمھاری جنگا بناؤ
 ہے کوئی اُن میں خشک اور کوئی تر
 کوئی آرزو ہے کوئی خُرسند
 خوش ولو غمزدوں کو شاد کرو
 پُرسنے والو ڈوبوں کو تھاد
 تو جو بچائے کُور و کرکی خبر
 لنگڑے ٹوٹوں کو کچھ سہاراؤ
 رنج بیمار بھائیوں کا بٹاؤ
 نہ کسی ہم وطن کو سمجھو غیر
 ہر مذہب ہو یا کہ ہو ہیرو
 جین مت ہووے یا کہ بیشوی
 سمجھو آنکھوں کی تیلیں سب کو
 شہر ہیں اتفاق سے آزاد
 کھاتے غیروں کی ٹھوکریں کپکپ
 اپنی پونجی سے ہاتھ دعو میٹھی
 گل غیروں کی تم پہ پڑنے لگاؤ
 جو نہ آتی تھی وہ بلا آئی
 ملک پر سب کے ہاتھ پڑنے لگے

کبھی گورانیوں نے گھر لوٹا
 کبھی نادور نے قتل عام کیا
 سب سے آخر کو لے گئی باڑی
 یہ بھی تم پر خدا کا تھا انعام
 در نہ دم مارنے نہ پاتے تم
 ملک روندے گئے ہیں پیروں سے
 قوم سے جو تمھارے ہیں بڑاؤ
 اہل دولت کو ہے یہ استغنا
 شہر میں قحط کی دھماکی ہے
 بھوک میں ہے کوئی ڈھڑال پڑا
 بچے اک گھر میں بلہلاتے ہیں
 کوئی پھرتا ہے مانگتا در در
 پر جو ہیں ان میں صاحب مقدر
 کہ جنھیں بھائیوں کا غم ہوگا
 جتنے دیکھو گے پاؤ گے بے درد
 عیش میں جکے کھتے ہیں اخلاص
 قوم مرنے ہے بھوک سے تو مرے
 آج کو اب تک خبر نہیں اصلا
 غلہ ارزاں ہے ان دنوں کہ گرا
 کال کیا شے ہے جسکو کہتے ہیں بھوک
 سیر بھوکے کی قدر کیا سمجھے
 کبھی ڈرائیوں نے زر لوٹا
 کبھی محمود نے غلام کیا
 ایک شایعہ قوم مغرب کی
 کہ پڑا تم کو ایسی قوم سے کام
 پڑتی ہو ہر پر وہ اکھاتے تم
 چین کسکو ملا ہے غبروں سے
 شو جو اسے میرے پیارو اور نرناؤ
 کہ نہیں بھائیوں کی کچھ پروا
 جان عالم لبوں پہ آئی ہے
 موت کی مانگتا ہے کوئی دعا
 روکے ماں باپ کو روکاتے ہیں
 ہے کہیں پیٹ سے بندھتا پتھر
 ان میں گنتی کے ہو گئے ایسے غیور
 اپنی راحت کا دھیان کم ہوگا
 دل کے نامرو اور نام کے مرد
 عید ہے دن تو شب برات ہے تا
 کام انھیں اپنے حلوں مانوایے
 شہر میں بھاڑ کیا ہے فلہ کا
 کلل ہے شہر میں پڑا کہ کلل
 بھوک میں کیونکر مرے ہیں منلوک
 اس کے نزدیک سب ہیں پیٹے بھر

اہل دولت کا سن چکے تم حال
 فاضلوں کو ہے غاصلوں سے غنا
 ہے بیسیوں میں نوک چھوٹ سکا
 رہتے دل اہل علم میں اس طرح
 حیدرو والوں کا ہے اگر پتھا
 شاعروں میں بھی ہے یہی تکرار
 لاکھ نیکیوں کا کیوں نہ ہو یک ٹیک
 اس پر مگر یہ ہے کہ اہل ہنر
 ملی ایک گانٹھ جس کو ہلدی کی
 نسخہ اک طب کا جس کو آنا ہے
 جس کو آنا ہے پتھو کٹنا کٹھنہ
 جس کو ہے کچھ ریل میں مٹوٹا
 باپ بھائی ہو یا کہ ہو بیٹا
 کلام کفر ہے کا جس کو ہے علوم
 المرض جس کے پاس ہے کچھ چیز
 قوم پر ان کا کچھ نہیں آسان
 سب حکامات اور ہنر ان کے
 قوم کیا کہہ کے ان کو روٹی کی
 تربیت یافتہ ہیں جو ہیں کے
 بھرتے شہر دہلی کا گروم ہیں
 قوم کو ان سے جو امیدیں تھیں

اب سنو روڈاؤ اہل کمال
 پنڈتوں میں پڑے ہوئے ہیں فساد
 ایک سے ایک کا ہے تھوگ بوا
 پہلو انوں میں لاگ ہو جس طرح
 شیخو واہوں میں جا نہیں سکتا
 خوشنویسوں کو ہے یہی آزار
 دیکھ سکتا نہیں ہے ایک کو ایک
 قدر سمجھے ہوئے ہیں اپنا گھر
 اس نے سمجھا کہ میں ہوں پٹنار
 گئے بھائی سے وہ پھپھاتا ہے
 ہے ہماری طرف سے وہ گوبھگتا
 وہ نہیں کرتا سیدت مرے سے بات
 بھید پاتا نہیں منجم کا
 ہے زمانہ میں اسکے بھل کی دھوم
 جان سے بھی سڑا ہے اسکو عزیز
 ان کا ہونا مٹونا ہے کیساں
 قبر میں ان کے ساتھ جائیگے
 نام پر کیونکہ جان کھوٹتی
 خود بینی لے ہیں کہیں یا اہل
 پر محبت وطن بہت کمر ہیں
 آپ جو دیکھا تو سب غلط کلیں

جیشی اور اُن کی جو گرنی
 بند اُس قفل میں ہے علم انکا
 لیتے ہیں اپنے دل ہی دل میں سو
 کرتے پھرتے ہیں سیر گل تننا
 اہل انصاف شرم کی جا ہے
 تم سے دیکھا ہے جو وہ سب کو کھلا
 یہ جو دولت تمہارے پاس ہے آج
 تمہ کو ایک ایک تمہارے ہے ملتا
 آپ شایق ہیں تو اپنے سے
 نہ کر سی اگر لگاتے ہیں آپ
 اندھا ہونا گر آپ کو ہے پسند
 قوم پر کرتے ہو اگر اسماں
 کچھ دلوں عیش میں غفل ملو
 علم کو کرو کو بکو ارزاں
 سنتے ہو سابعین با تمسکین
 جو ہیں دنیا میں قوم کے ہمد
 باپ کی ہے دعا یہ بہر ہمد
 ماں خدا سے یہ مانگتی ہے عواد
 بھلا آپس میں کرتے ہیں پیاں
 اہل ہمت کما کے لاتے ہیں
 کہیں ہوتے ہیں مدرسہ جاری

سٹ پتوں میں منہ دے ہے پڑی
 جس کی گنہی کا کچھ نہیں ہے پتا
 گویا گونگے کا گڑا ہیں کھائے ہوئے
 کوئی پاس ان کے جا نہیں سکتا
 گر نہیں بھل یہ تو پھر کیا ہے
 تم نے چکھا ہے جو وہ سب کو کھلا
 ہم وطن اس کے ہیں بہت محتاج
 کر سکتا ہے منہ سے آپ کے کیا
 کچھ سلوک اپنی قوم سے بھی کئے؟
 قوم سے پوچھتے تو پتی ہے نہ پاپ
 قوم کو اُس سے فائدہ نہ گزند
 تو دکھاؤ کچھ اپنا جوش شہان
 پیسے میں جو ہے سب آگل ملو
 ہند کو کر دکھاؤ انگلستان
 سنتے ہو حاضریں صد نشیں
 بندہ قوم اُن کے ہیں زب و مرد
 قوم کی کس بنائیں اس کو سپر
 قوم پر سے نظر ہو اولاد
 تو گر مال دے تو میں دہل جان
 ہموطن فائدے اٹھاتے ہیں
 ذل اور خبی جی کے ہیں بطاری

اور کہیں ہوتے ہیں کلب قائم
 رت نئے نکلتے ہیں دوا خانے
 ملک میں جو مرض ہیں مانگیر
 ہیں سدا اس اویڑنکا میں طبیب
 قوم کو پہونچے منفعت جس سے
 رسم بد کا جہاں اغڑ پایا
 کہیں مجلس میں ہوتی ہے تعزیر
 ایک ٹھک بنا کے لاتا ہے
 لاکھ تدبیریں جی سے جوڑتے ہیں
 قوم کی خاطر ان کے ہیں سب کام
 سیکڑوں گھر خ اور سو پارے
 جان اپنی لئے ہتھیلی پر
 غرق یہ ہے کہ جان جائے تو جاکے
 جس سے مشکل ہو کوئی قوم کی حل
 کھپ گئے کتنے بچے جھاڑوں میں
 کھنچے جب تک بچے سفر تارے
 گو سفر میں اٹھائے رخ کمال
 ہیں اب ان کے گواہ حب وطن
 کئے دنیا کا جس کو باغ جنوں
 کلام ہیں سب بشر کے ہموطنو
 چھوڑو افسردگی کو جوش میں آؤ

بحث حکمت و ادب قائم
 بنتے ہیں سیکڑوں شفا خانے
 قوم پر ان کی فرض ہے تدبیر
 کہ کوئی نسخہ ہاتھ آئے عجیب
 ملک میں پھیلے خاندے جس کے
 سٹے پر سٹے اُسہ ہونے لگا
 کہیں مضمون ہوتے ہیں تحریر
 دوسرا اس کو کر دکھاتا ہے
 انہوں اس کو ریشا کے چھوڑتے ہیں
 خواہ اس میں سفر ہو خواہ مقام
 لاٹھے ہاں کے باپ کے پیارے
 کرتے پھرتے ہیں بخیر بر کے سفر
 پر کوئی بات کام کی ہاتھ توکے
 ملک کا آئے کوئی کام محل
 مرگئے سیکڑوں پہاڑوں میں
 چل دئے ہاتھ میں قلم تھامے
 کر دیا پر وطن کو اپنے نال
 درد و دیار پیرس و لندن
 ہے فرض آج یا ہے جنگلات
 تم سے بھی ہو سکیں جو مرد بو
 بس بہت شوق آتھو ہوش میں آؤ

قافلہ تم سے بڑھنے لگوں
 قافلوں سے اگر بلا چسا ہو
 گر را چاہتے ہو عزت سے
 ان کی عزت تمہاری عزت ہے
 قوم کا مبتذل ہے جو انسان
 قوم دنیا میں جس کی ہے منزل
 عزت قوم چاہتے ہو اگر
 ذات کا غر اور نسب کا غرور
 اب نہ سہد کا افتخار صحیح
 ہوئی ترقی تمام علانوں کی
 قوم کی عزت اب ہمز سے ہے
 کوئی دن میں وہ دور آئے گا
 نہ ہیں گے سدا ہی دن رات
 گر نہیں سینے قول حالی کا
 رہے جاتے ہر سب سے پیچے کیوں
 فلک اور قوم کا بھلا چاہو
 بھائیوں کو محلو وقت سے
 ان کی ذات تمہاری ذات ہے
 بے حقیقت ہے گروہ بے سلطان
 ہے فقیری میں بھی وہ با اعزاز
 جا کے پھیلاؤ ان میں علم و ہنر
 آٹھ گئے اب جہاں سے یہ کہتے
 نہ برہمن کو شکر پر ترجیح
 کٹ گئی جڑ سے خاندانوں کی
 علم سے پا کہ ہم دوز سے ہے
 ہے ہمز بھیک تک نہ پاسے گا
 یاد رکھنا ہماری ترقی کی بات
 پھر نہ کہنا کہ کوئی کہتا تھا

موسم زمستان

آرمستان کہ ہے تو بادشاہ برغانی
 تخت اقبال ہے عالم سے قلاتی
 شرقی تا غرب عالم کہ ہے ہر طرف سلطنت
 جب کہ عالم پہ ہے تو شکر جنگی دنیا
 باد صحر سے اقبال تیرا آواز آتی
 طرفہ احمیں میں کر لیتا ہے تسخیر میں
 شاہ برغانی و شاہنشاہ برغانی
 اور ہے وہاں سر کوہ ہمال تیرا
 اڑ رہا پرچم اقبال ہے جوں برف سفید
 کوہ و صحرا کو برابر ہے اٹاتا آسمان
 نوبت اقبال کو رستہ ہے تبتا آتی
 غریب آتے ہی بر بختی ہے تاثیر ہمال

جس دن تیرے پھر یہ کا ہے چھوکا جاتا
 ہے نباتات کا عالم جو دہلا تلخ سے
 یاغ پر جب ہے ترے قدم کا چھوکا آتا
 حیرت سکائے سے ہوتی ہے ہوا جان نبات
 تھ تھرتے ہیں کھڑے سلسلے جوانانِ جن
 میں شجر مدہم کھڑے خاک اُٹاتے سارے
 انجم سخاں جس پر ہیں پھلائے میٹھے
 باغباں کا جو گلستاں میں گزر ہوتا ہے
 یا اسی وہ جوانانِ تپسی ہو گئے کیا
 غم کس سے تلخ یاغ میں بس بھی نہیں
 نہ تو خیر کوئی باقی ہے کہ جو منہ کھولے
 کہ درختانِ جن بلغم میں غریب کیوں ہیں
 ہے زمناں جو چھٹی خار سے ہے بواگھی
 تجھے ہے دور جہاں کی کثافت ہوتی
 خلق سے وضع و ہاؤں کی ہوا ہوتی ہے
 خشک ہوتی ہے حواہوں کی رطوبت تجھے
 تونے ہے صاف جہاں کان سے تاقان کیا
 نعل دھاکم و سحاب پنہائے تونے
 تونے تھا جب تونے تھا جان کو جینے کا ذرا
 اب گل میں ترے تمام سے سب جیتے ہیں
 یا تو گرمی سے دھما پاس بھی بیٹھا جاتا

مارے نیست کے ہے دل سینوں میں تھرا جاتا
 پڑے پڑے ہے گلستاں کا رملہ تھرا سے
 دوسرے ہر برگ ہے ہونہ زمیں ہو جاتا
 خون کے مارے دہل جاتے ہیں طفلانِ نبات
 منہ چھپاتے ہیں گل و سبیل و رجاں تپیں
 گل و گلزار میں دیوانِ نظر آتے سارے
 اور پرو بل میں ہیں منہ کو چھپائے بیٹھے
 بہ حسرت سے ہی کہتا ہے اور روتا ہے
 بلغ سدا میں ہے مرقاطی جس ہو گئے کیا
 کان میں پوچھتے اب کس سے کہ باگل بھی نہیں
 نہ ہے گلزار میں سوسن جو زباں سے بوسے
 ہاتھ پھیلائے کھڑے ششدر حیاں کیوں ہیں
 فی الحقیقت چھٹی خدمت میں ترے ہے اولی
 وضع زہر حشرانی کی ہے آفت ہوئی
 اور مریضوں کو ترے دم سے شفا ہوتی ہے
 پاتا ہے مہربانِ شیریں میں مدد و تھبت
 شیشہ گندہ فیروزہ ہے شفاف کیا
 بہت ہاتھ کر و نہ شک کہتا ہے تونے
 نماند کھانے کا وہاں نہ پینے کا حرا
 گرم کھاتے ہیں غلاب خشک پیتے ہیں
 اور لب سے دل وشت زدہ نکل جاتا

یا میں اب ہاتھو کو بٹلوں میں دبائے لیے
 فارس سردی کے جگر سینوں میں ٹھراتے ہیں
 ہے کوئی پھینٹ کا اور ہے ہوسا غزل بیٹھا
 اندھ بیٹھا کوئی سردی سے طاف ہٹا ہے
 کچھ کافوں سے ابھی منہ کو نکالے ہیں چکا
 کئی سکرے ہوئے بیٹھے ہیں کسی کا ہنپتے ہیں
 کہیں ٹوٹو کہیں سی سی ہے کہیں سیٹھی ہے
 حال دیکھ ہیں جو یہ خلق کی ہر حال کے
 اس کے ہر حال میں چھپ چھپ کے ہیں سنبھلے بیٹھے
 خلق سے گری و سروی کے جو ہے لاک لگی
 ہر نفس بھاپ کے پردے میں نکلتے ہیں وٹھکی
 تیرے انفعال خلاوت تیرا ظاک میں عام
 اہل دولت کو ہیں خلق میں دھنکے ہوئے
 کر دیا تو نے ہے خلقت کو ہر اک حال میں ست
 خان عالم ہیں اگہ بسو عقل میں پڑے
 اسے زمناں کھول کس طرح قری رات کا طعن
 کئی قری رات نے فاماں کی ہے بات بڑی
 ہے جو اس بیتا اس شب میں ہوا کا مزا
 بزم احباب کی صحبت کا مزا ہے تجھ سے
 صوفی و زند کے بیٹے کا تو ہی ساتی ہے
 ہر طرف ہے جو پیالی چ پیالی اور ٹاٹی

اک ہاتھ آنی تو میں دل میں چھپائے لیے
 بچے ہاں باپ کی بٹلوں میں گھسے جاتے ہیں
 ہر پھلا ہے ہوئے جھپٹے کوئی بلبل بیٹھا
 کوئی کر بیٹھا بچھونے کو غلام اپنا ہے
 لیکن انگلی کو پہلو میں سنبھالے ہیں چکا
 میں کسی کا پنجے سروی سے کسی ہانپتے ہیں
 گرد سب بیٹھے ہیں اور بیچ میں بیٹھی ہے
 روٹھتے ہوئے سروی سے کھڑے تان کے
 پردہ رنگ میں ہیں دیکھ ہوئے گل بیٹھے
 تن تو ٹھنڈے ہیں پڑے سینوں سے آگ لگی
 دل میں ہے آگ لگی منہ سے نکلتے ہیں مٹی
 مٹی سب اہل جہاں کے لئے پوشاک ہے عام
 غریب سارے میں گل کے حوالے ہوتے
 ہے کوئی کھال میں ست اور کوئی شمال میں ست
 فقرا پٹے میں سب ایک ہی گل میں پڑے
 تیری شہتے دھار اور دو ہریات کا طعن
 کہ کبھی دن ہیں پڑے اور کبھی رات بڑی
 اور جو جڑھا ہے تو بیتا ہے کماٹی کا مزا
 ساو عشرت کے لئے رنگ و نوا ہے تجھ سے
 بایہ عیش و طرب دھر سے ترے ہاں ہے
 نے نہیں ہے یہ ہے نصیب خیالی آرائی

جائیں پی پی کے ترے سر کو دعا کرتے ہیں
 تو اسی شب ہے مزا مجلس خاموشی کا
 بزم دربار میں صاحبِ خرواں آتے
 ہیں گناہوں کے ذیل ان کی وکالت کرتے
 دیکھنا آتا ہے مشرق سے عصا پیر سحر
 ریش پرور میں ہے جلوہ نما ترے سفید
 ساتھ ہے کوہ ہمالہ کو اٹھاتا لاتا
 ملک تاتار کی تصویر بنا دیتا ہے
 اسے زمناں ترے وہ ملک میں آئیں ہی اور
 کو نباتات کا سب رنگ بدل جاتا ہے
 کوہ سے کاہ ملک باغ سے اشجار ملک
 زعفران پوش درختوں کو بناتی ہے بہشت
 آب زر ترے نباتات یہ پھیرا کس نے
 پتے پتے کو جلاتا ہوا اک تخت آتا
 جس طرح سے کوئی تانے کو تپا دیتا ہے
 کہیں زرکار ہے آتا کہیں مسگر آتا
 کہ نباتات پہ طوفان بلا ریزی ہے
 اور شجر سب میں بہہ نہ تم افلاک کھڑے
 یا زمانے پہ وہ کچھ سحر ہے کرتا ایسا
 دشت و گسار سے لے تا دیو دیوار سفید
 بدن کے چہرے میں وہ رانی دھنکے جانا

بے فتنے مست پڑے شکر خدا کوئے میں
 شب سرا میں اگر لطف ہے میوٹی کا
 میں کبھی عالم آرواح کے مہاں آتے
 دل کے یوں میں ہیں آکے عدالت کرتے
 ہوتی اتنے میں ہے افلاک پہ تنہا سحر
 سر پہ وہ اپنے کھیرے ہوئے ہے کوئے سفید
 شجر طود کا عالم ہے بناتا آتا
 ہند کو کابل و کشمیر بنا دیتا ہے
 گرچہ ہر طہ و قد سے جلتے قوانین میں اور
 ایک بھوکا جو ترے حکم کا آجاتا ہے
 زرد ہو جاتے میں سب دشت سے گسار تک
 ہاں اسی فصل میں گویا نظر آتی ہے بہشت
 عقل حیرت ہے کہ سوتا یہ کھیرا کس نے
 بعض اشجار پہ ہے حکم بہت سخت آتا
 دل میں ہر رنگ کے یوں لگا دیتا ہے
 ہر شجر پہ ہے عرض رنگ بدل کر آتا
 تیرے ہر حکم کے جھوٹے میں سواتیری ہے
 برگ دیکھو تو میں سب مجھ کے سرخ رک پکا
 دھتہ پیر سحر سانس ہے بھرتا ایسا
 کہ جہاں آنکھوں میں ہو جانا ہے اک بابہ
 ابر کی طرح نباتات کا گھر کر آتا

ہلے پلے کبھی کھڑی کیے ہیں جاسہ گڑھے
 جا بجا آبر رواں چلنے سے وہی قائم رہتا
 جو شجر گلشنِ اُمتی میں برہنہ تھے کھڑے
 شجرِ فردِ سرِ طور نظر آتے ہیں
 ہیں زمیں پر سب کام نہانے والے
 جامِ گردوں میں ہے تو شجرِ جھاتا کیونکر
 اب بارانِ قحطِ حشرِ بریں دیکھا تھا
 جب کہ ہوتا ہے گذرِ جانبِ کسارِ ترا
 بہت تراشی میں ہے تو غرتِ فریادوں
 اک طلائعِ دکھا عالم ہے دکھاتا جاتا
 پتے پتے کا ہے تصویر میں اندازِ درستہ
 اثرِ بادِ اسی کسار میں ہوتا ہے وہیں
 ہے کہیں ویو کی تصویر نمودار کھڑی
 چیتا کتا ہے کہ میں نہایت ابھی کرتا ہوں
 برن کا بیل کہیں سر پہ جھکنا ہے جیتنا
 شیرِ دل سے زنجیر بنانا ہے وہیں
 کبھی انسان کبھی حیوان بنا دیتا ہے
 ہے زمستان جو کبھی آذر و فریاد ہے تو
 برن سے سب ہے پھر مٹا خاکِ زخمی
 کسی حیوان کو ہے کر کے حیوانِ لانا
 لیتا پھر کارِ قہر ہے دمِ شیر سے تو

اور ہوا میں ہیں کبھی کوئی کے گسے اڑتے
 اور سر پہ میں شیشے کی طرح جم جاتے
 یا کہ حقوں کا پھسائے ہوئے گزرتے تھے
 سرِ سرِ غرتِ بگڑ نظر آتے ہیں
 یہ لطیف ہے مگر فہم میں آنے سے اٹھ
 اور ہوا میں ہے تابشِ آڑا کیونکر
 بد برستا ہوا کا فور نہیں دیکھا تھا
 فنِ صفت کا ہے وہاں اور کچھ اے پادشاہ
 قصرِ شیریں کی ہے تو ڈالتا بنیاد وہاں
 صورتیں برن سے کیا کیا ہے بنانا جانا
 اور ہر اک میوہ ہے قدرت سے خدا ساز ہوا
 برن کا اسپ کھ خیز بھی ہوتا ہے وہیں
 اور پری ہے پھر پھار سے تیار کھڑی
 اور پہلے کتا ہے کہیں چوکی بھر جانا پلونا
 اور کہیں اڑتا ہے گردن کو اٹھائے ہینا
 اور کبھی چلنے کی تصویر بناتا ہے وہیں
 اور کبھی صورتِ شیطانی بنا دیتا ہے
 تو کبھی رنگِ دھانی و ہند ہے تو
 اور تری طرح جھاتی سوسے رنگیں کاری
 اور کوئی صید ہے سرشتِ آفت لانا
 اور ہے شکرندہ کو لیتا رگِ پنچیر سے تو

خون پہ جہم سے کرتا ہے اُسے گناری
تیرسا دیدہ حیرت میں چھٹا جاتا ہے
اُن طلسمات کا گویا ہے تماشا ہوتا
سر بسر تختہ الماس بناتا ہے آتے
حبط دشت میں ہر نوکیلی ڈیریں جاتی
سفری سیکڑوں بے لڑکے گذر جاتے ہیں
ایسے جاتے ہیں کہ دامن نہیں تر پڑتا
اُسے زمناں ہے دہاں تیرے بیٹیش کا رنگ
جلوے تخت ہوا دار دکھاتے جاتے
سب کمر بستہ ہیں میدان سبکدوشی میں
اور عسا اپنے سر برن جاتے ہیں کمرے
بے اکھل جاتے ہیں اور آگے پھیلے جاتے
پر رہتے دوڑ کا میدان تو نہ مارا ہوگا
نہ سڑی کے نہیں ہاتھ میں حالت باقی
اور غلہ اٹھاتا ٹھٹھ کے گرا جاتا ہے
مندر کے ٹاؤنڈ کی بنائی میں چھپائی لیتا
تیرے آؤنگے کے چارے سے پڑا ہے پالا
اب کھاتا ہے ہائی تو یہی ہے دل میرے
کری شمر و سخن سیرت رکھ کر مسمدا
موتی محبت تھی

شہد سہا

کی سرخاک جو تھی برف نے سیں کا کی
صبر نوید کا خون رنگ جو دکھلاتا ہے
ہے گذر جب کہ چرا جانب ویا ہوتا
ایسا تو حکمت جادو سے جاتا ہے اُسے
کاروانوں کی برابر میں قطاریں جاتی
پہل میں ہے کشتی وہیں پار تر جاتے ہیں
تیرے دریا پہ گذر مش نظر ہوتا ہے
آکھشن دانش و فرہنگ جو ہے ملک فرنگ
بارہ نگے کہیں گئی ہیں اڑاتے جاتے
زبس جوش دن حوصلہ انگیزی میں
پانوں میں کاٹھ کے موز و گلوچہاں ہیں کرکے
قدم آگے کو رہے کر ہیں نکلتے جاتے
کوئی گھوڑ دوڑ میں جیتا کوئی ہارا ہوگا
بس کر اے دل کہ تیرے کھینے کی طاقت باقی
دیکھ کاغذ کا ورق ہاتھ میں تھماتا ہے
مارے سڑی کے ہے سراپا کھکھکے لیتا
میسٹ اللہ تو ہی آپا ہے کچانے والا
آرزو کچھ نہیں دنیا کی رہی ہے دل میں
پیش عشق سے مل جو وہ جارم سکنا

مستری چار ہر شاہنشاہ کا فہم اس کے ہر ایک سخن ہو یہ چھ شعر کا ایک بند ہو

وہی طرح کے مسلسل گئی بند ہوں۔ مگر صلیغ غیر مقرر ہو۔ اس ایک ہر کو سندس کہتے ہیں۔

صبح کا سناں

وہ صبح اور وہ چھانوں شادابی اور وہ نور دیکھے تو عشق کرے ارنی گوے اوج طور
پیدا نگوں سے قدرت اشد کا ظہور وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور

گلشنِ حجل تھے داوی مینو ساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھونو کی باس سے

تھنڈی ہوائیں سبزہ و صحرا کی وہ لہک شرمائے جس سے اطلس رنگاری فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھونو کی وہ لہک ہر برگ گل پہ قطرہ شہم کی وہ چپک
ہیرے حجل تھے گوہر کینا شمار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جاہر نگار تھے

قربان صنعتِ قلم آنسریدگار غنی ہر ورق پہ صنعتِ ترسیع آشکار
عاجز ہے فکر شعرا ہر ہمز شمار این صنعتوں کو پائے کہاں عقلِ سادہ کار
ظالم تھا محو قدرت رب عباد ہر
مینا کیا تھا داوی مینو سواد ہر

رد نور اور وہ دشت سہانا ساوہ فضا کوراج و کبک تہو و طلوس کی صدا
وہ جوش گل وہ نالہ مرغانِ خوش نوا سیدی جگر کو بخششی تھی صبح کی ہوا
پھولوں کے سبز سبز غجر سرخ پوش تھے
تھامے بھی نخل کے سہر گل فروش تھے

وہ دشت وہ نیم کے جھونک وہ سبزہ زار پھولوں پہ جا بجا وہ گہرے آبدار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواب تھے زیب گلشنی زہر جواب کے

شبنم نے جبرویٹ تھے کٹورے گلاب کے
 وہ قمریوں کا چار طرت سرو کے ہجوم
 سبحان ربکا کی صدا تھی حل العہوم
 باری تھے وہ جو ان کی عبادت کے تھے روم
 کچھ گل حفظہ کرتے تھے رہا عطا کی مع
 ہر خدا کو بھی نوک زبان تھی خدا کی مع
 چہرہ ہی ہاتھ اٹھا کے یہ پڑھتی تھی باید
 اسے دلا کیش ضعیفوں کے ملازق جسے نثار
 یا تھی یا قدر کی تھی ہر طرت پیکار
 تسبیح تھی کہیں کہیں تسلیم کردگار
 طائر ہوا میں مسما ہوتی پہونار میں
 جنگل کے شیر گونج رہے تھے پگھار میں (انہیں)

صبح کا سماں

پھلا جو گرین شب آفت کی سحر نے
 پھلے میں چھپا پالا رخ روشن کو قمر نے
 پیادہ نور شہد لگا نور سے بھر سلا
 گردوں سے سفر فوج کو لکب لگی کرنے
 تاباں جو سُبُھ نیرِ اللاک ہوا تھا
 فزوں سے زر افشاں ورقِ خلک ہوا تھا
 چہار ہوتی خط شامی کی جو منور
 توبہ غیب پیدا سے سیاہی ہوتی تغیر
 خورشید نے کی سورۃ الشمس کی تعمیر
 مانہر کی کرتا تھا تلاوت خلک پر
 پھیلا ہوا تھا لہو سحر ازل و سہیں
 مضمون تھی سب خلقی خدا پر خدا میں
 خورشید کا وہ نور سحر کا وہ پھیرا
 شمع جیل الشمس خیاب تھی ہویدا
 اشجار پر تھے زمرہ لبہل شیدا
 شمع وہ جلجلی کی آفتی بجی سے پیدا

لڑو جو حق خسرو خاور میں مگر تھا
 شوہرِ مہارت پر زطل آئے کا ڈر تھا
 جس کا صفتِ شعلہ جو وہ مہرِ جہاں تاب
 شبنم کی طرح سیم کو اکب یعنی بے آب
 نائل بہ پیدای ہوا رنگِ تیغِ مستاب
 اور دیدہ موم سے سفر کرنے لگا خواب
 طاقت نہ رہی شمع میں سونو جگر کی
 پہوانے سے رخصت تھی چہرہ عری کی
 وہ سرد ہوا صبح کی وہ نور کا عالم
 اور زحمتِ مرغانِ خوش اعلان کے وہ باہم
 وہ سبزہ صحرا پر پڑے گوہرِ شبنم
 اور صبح کی نوبت کی صدا آئی وہ ہر دم
 نملے کی جو شہنا کیوں صدا تھی تو بجا کی
 وہ نوبتِ قتل بہرِ سفیر خدا تھی
 (انیس)

گھوڑے کی تعریف

جب کوئز کر سمد پہلا سے وہاں صفا
 مہابت آوا نہ کچھ کدھر آیا کہاں گیا
 بھٹاڑی جو پتلیاں تو نظر سے نہاں گیا
 گھوڑا براق بن کے سوسے آساں گیا
 نقل تھا وہ آکے دیکھ لے اس باد پاک پہا
 دیکھے نہوں زمانہ میں جس نے چوڑا کے پاں
 شہرت میں شہسارِ نسیم سحر ہوئی
 آنکھوں میں پھر گیا نہ خزا کو خبر ہوئی
 سن سے عرق کی لہ نہ ہو کچھ گہر ہوئی
 جب خاک آڑی دھر تو دم انکی چند ہوئی
 گھوڑا نہ کیئے غفلت سلیمان رواں تھا
 اس کے لئے تو جنبشِ رنگ تازیانہ تھا
 باریک جلد وہ کہ مچل قائم و حریر
 مشکیں پرند آہوسے رہا حورہ شیر گیر

سننے سے ہوں نکل گیا جیسے کماں سے تیر آتش حواج باد یہ پیمانہ فلک مسیر
 یوں فوج ساتھ ساتھ تھی اُس ماہوار کے
 پیچھے پیادہ چلتا ہے آگے سوار کے
 تلوار تھی جو ابر تو گھوڑا بھی برق تھا شل عروس زہر خوبی میں غرق تھا
 کچھ اسیں اور ابر میں اعلانہ فرق تھا دلوں گم اسکو فاصلہ غرب و شرق تھا
 پاکر تھے موتیوں کے عرق جبرہ پاک پہ
 آئی تھی باد تند فرس بن کے خاک پہ

تلوار کی تعریف

تھا صورت ایسے تمام اُس کا بدن صاف خوں پتی تھی پر دیکھو تو منہ صاف دہن صاف
 چلتی تھی جو کسی سے نہ نکلتا تھا سخن صاف ہونٹیں کو وہ چاروں پہ کر دیتی ہوں رنگ صاف
 ۲ اہل میں تا مرد ہیں نا پاک ہیں اعدا
 مٹی برقی غضب ہوں خس و خاشاک ہیں اعدا
 سفر سے جھلم کاٹ کے گردن میں درائی گردن سے سر کنا تھا کہ جوشن میں درائی
 جو سخن سے گزرنا تھا کہ بس تن میں درائی تن سے ابھی اتری تھی کہ توسن میں درائی
 پچھا کوئی کیا تیغ فنا رنگ کے پیچھے
 کہ برق غضب کو نہ گئی تیغ کے پیچھے
 پیری کبھی گر خون میں شہر مکمل آئی شہر کبھی غوطہ کبھی کھا کر مکمل آئی
 کھاتی جو زرہ موج میں جا کر مکمل آئی مضہار سے دو ہاتھ لگا کر مکمل آئی
 کیا ڈر اُسے طعناں کا جو حلالک ہو ایسا
 جب پاؤں پہ دیر ہو تو پیراںک ہو ایسا

ہم بھرے ٹھہرتی تھی عجب طبع کا رہتا تیری پہ جسے ملا تھا نہ اس کا قلم تھا
 مانگ میں نہ یہ زہر نہ انھی میں یہ سم تھا یہ فتح کی جویا تھی قد اس دانے خم تھا
 برہن ٹکڑے کے سخن کہتے ہیں اکثر
 جو صاحبِ جہر میں ٹھکے رہتے ہیں اکثر

رباعیات

رباعی - دو پہ جس کے چاروں سرے ہوں ہم قافیہ ہو۔ لیکن اگر تیرا سر نہ قافیہ
 سے خالی ہو تو سیوہ نہیں۔ رباعی کا دوسرا شعر اول سے نامزد ہو رہنا چاہیے اس کو فارسی
 میں تراشہ یا نوٹیتی کہتے ہیں۔

امیر مینانی

ماشوق کو کہاں ٹکیب شیدا ہو کر دل زندہ جاوید ہے فردا ہو کر
 بیونہ زمین کرے جو جھگو گردوں اگر وہ اس کی پھرت خاک بگونا ہو کر

۲
 اگر ہم کہاں دشت میں ہم لیتے ہیں نکتے ہیں ٹھہرتے ہیں نہ دم لیتے ہیں
 دشت اسی رسیدگ ہے اسی آنکھوں سے ہر آنکھ قدم لیتے ہیں

۳
 چہا سے ہم کی سمت جاتے جاتے مجروح ہوں کیا کام بناتے جاتے
 آنا جانا تھا اپنا ماضی نہیں اخیر فنا بھی نہ آتے جاتے

۴
 کیا لطف اگر سدا نام دیکھے دیکھے تو بھگاہ چشم دانا دیکھے
 کر گلشنِ الفت میں گذر مشی نہیں آنا دیکھے کلنا نہ سہانا دیکھے

خوابانِ طرب ہے جسے ادیک نہیں
آدم نہ گنبد افلاک نہیں
ہیوادِ گردوں میں کہیں بادۂ عیش
بجز کدو تہ جام یہاں خاک نہیں

فاح

بیگانہ پہاں ہر اک چکا نہ دیکھا
اپنے مطلب کا سب زمانہ دیکھا
جس کو دیکھا غرض غرض کا اپنی
دنیا کا عجیب کارخانہ دیکھا

۲

دنیا میں کب انسان کی حاجت مٹلی
عسرت ہی رہی کوئی نہ حسرت مٹلی
جیتے تھے قیامت کی توقع ہم
خود وقت کی محتاج قیامت مٹلی

انیس

گلشن میں پھروں کہ سیر سوا دیکھوں
یا سعد کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا جری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوہ
جہاں ہوں کہ دو آنکھوں نے کیا کیا دیکھوں

۲

زیبا ہے وقار بادشاہی کے لئے
مہرات واجب ہے کھجکھائی کے لئے
لازم ہے کہ ہو اہل سخن تیز زباں
تہوار حضور ہے سسپاہی کے لئے

۳

پرساں کوئی کب جوہرِ واثق کا ہے
ہر نکل کو گھم کہ انقضاء کا ہے
شبنم سے جو دم گر یہ پوچھی تو کہا
نورۂ قیام اپنی یہ شبانی کا ہے

۴

ہا ہم نے کہ حسب سے پاک ہے تو
معذور نہو جو اہل ادیک ہے تو
بالغرض مگر آسمان ہے تیرا مقام
انجام کو شوق لے کہ پھر خاک ہے تو

۵
دیراں ہے کوئی گھر نکھیں آبادی ہے راحت سے کوئی اور کوئی فراہمی ہے
اک عشرت و رحم کا ہے مرقع دینا ماتم ہے کسی جا تو کہیں شادی ہے

۶
گلشن میں سبا کو جستجو تیری ہے بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا جس پھول کو سونگھتا ہوں بوتیری ہے

حالی

۱
اے وقت بگاڑ کا ہے سب کے چارہ پر تجھ سے بگڑنے کا نہیں ہے یارا
ہو جائے گر ایک تو ہمارا ساتھی پھر غم نہیں پھر جائے زمانہ سارا

۲
احساں کے ہے گرصلے کی خواہش تنکو تو اس سے یہ بہتر ہے کہ احساں دکر
کرتے ہو گر احساں تو کرو علم اُسے اتنا کہ جہاں میں کوئی ممنون نہ ہو

۳
چھوڑو کہیں جلد مال و دولت کا خیال مہمان کوئی دن کے میں دولت ہو کر مال
سرا یہ کرو وہ جمع جس کو نہ کبھی اندیشہ فوت ہو نہ ہو خوف زوال

۴
وجود ہمزہوں ذات میں جس کی ہزار باطن نہ ہو عیب اُس میں اگر ہوں دوچار
مناویں کے پاس زشت پر کر کے نظر کہ حسن و جمال کا نہ اُس کے انکار

۵
اے علم کیا ہے تو نے ملکوں کو نہال غائب ہوا تو جہاں سے وہ آیا زلال
اُن پر ہوئے شیب کے خزانے مفتوح جن قوموں نے بٹھلایا تجھے راس المال

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا ۴
 آتش و مٹنوں نے راگ گایا تیرا
 دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے
 انکار کسی نے بن نہ آیا تیرا
 سید اکبر حسین اکبر
 تم شوق نہ کالج میں بھلو پارک میں بھلو
 جس رک یہ سخن بندہ عاجز کار ہے یاد
 جانو سنہ عبادوں میں آڑو چو پٹھو
 اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

۲
 آپس میں موافق رہو طاقت ہے تو یہ ہے
 دیکھو نہ بہم عیب محبت ہے تو یہ ہے
 محنت بھی ہو روزی بھی ہو دکو بھی بیکیں
 دنیا میں بشر کے لئے نعمت ہے تو یہ ہے

۳
 مسرت ہوئی ہنس لئے دو گھڑی
 معیبت پڑی کندہ کہ چہ چو اچہ
 اسی طور سے کت گیا روز نیست
 سکایا شب گورے سور ہے

۴
 یہ دربار ہے خالق دو جہاں کا
 ادب اپنا رکھ بٹھاسے ہوئے ہے
 نہ سمجھو کہ حاضر نہیں حق تمہارے
 یہ عالم خود انکسیر جھکائے ہوئے ہے

۵
 یہی خوشیاں رہیں دہریں ایسے ہی غم ہو گئے
 گھر رک وقت میر کا نہ تم ہو گئے نہ ہم ہو گئے
 ایسے تو تھی میں تو بہی صدر پہنچتا ہے
 اسیدیں جو کہ گنگا کے آستے صدمے بھی کم ہو گئے

۶
 موت سے وحشت بشر کا رک خیال خام ہے
 اہل فطرت میں فقط آرام ہی آرام ہے
 اس تجارت گاہ دنیا کا کہیں کیا تھے مان
 کارخانے سب خدا کے ہیں ہمارا نام ہے

